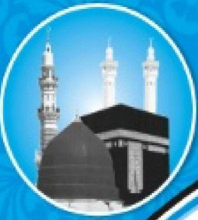
یااللہ مدد — اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — حق چار یارؓ





اکابر اہل سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بیاد محدث عصر ترجمان اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

بفیضان مظہر شریعت و طریقت
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

117-118

نومبر، دسمبر 2020ء — ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ

مسلک اہل سنت کی اشاعت وحفاظت میں تاریخ رقم کرنے والی بلکہ سند کی حیثیت رکھنے والی جماعتیں ایسے مروجہ جمہوری سیاسی علماء کو اپنے اجتماعات میں بلا کر اپنے کارکنوں کو اپنے ہی اکابر کی سوچ و فکر سے ہٹانے کا سبب بن رہی ہیں۔ خالص مسلکی اجتماعات میں ایسے سیاسی علماء کی شرکت ہی کچھ کم قیامت ہے کہ انہیں مہمان خصوصی کے اعزاز سے بھی نوازا جارہا ہے۔ اکابر اہل سنت کی دہائیوں کی جان توڑ محنتوں پر پانی پھیرتے اس طرح کے اقدامات موجودہ قیادت کی غیر مستقل مزاجی کا پتہ دیتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جس تنظیم یا تحریک کی قیادت اور بااختیار لوگ مستقل مزاجی سے ناآشنا ہوں اُس تحریک کی منزل اور رخ بدلنے میں کوئی دیر نہیں لگتی، حتی کہ آغاز میں جس مشن کی علمبردار بن کر وہ تنظیم اُبھری ہوتی ہے، انجام کار اس سے مختلف دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ سب اسی مروجہ فرنگی سیاست کی نحوست ہے جسے اھون البلیتین قرار دے کر بامر مجبوری، بادلِ نخواستہ "برداشت" کرنے کے بجائے بطورِ اعزاز بخوشی "قبول" کیا جارہا ہے۔ [مسلکی خدمات سرانجام دینے والے توجہ فرمائیں: ۱۳]

مظہریہ دار المطالعہ جبہان سومرو
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

hamza.ehsani44@gmail.com

یا اللہ مدد | حیاتُ النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد | مقامِ امامِ اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار رضی اللہ عنہم

اکابر اہل سنت (دیوبند) بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بفیضان

مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد

محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ | خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلکِ دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ | حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست

پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب حفظہ اللہ

نگران

وکیل احناف مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 70 ...... زر سالانہ: 400 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

۱	دریچہ دِل	مولانا حبیب الرحمٰن سومرو	4
۲	تشویشناک ملکی حالات/مجلّہ صفدر کے دس سال	اداریہ	5
۳	فاروق کی لخت جگر	مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	22
۴	ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا (نظم)	انجم نیازی	27
۵	المجالس الحسنہ	مولانا محمد حسن	28
۶	حضرت امام اہل سنت اور حضرت صوفی صاحب	مولانا عرباض خان سواتی	31
۷	فرقہ واریت اور عظمت صحابہ ریلیاں	مولانا عبدالقدوس ترمذی	34
۸	قرآن کی جمع وتدوین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	مولانا محمد فضیل حسن	40
۹	صفات باری اور مولانا مکی حجازی صاحب کا تساہل	مولانا خیرالامین	46
۱۰	معیتِ حبیبِ مظہر، درِمحبوبِ خدا (سفرنامہ عمرہ)	جناب ملک نثار معاویہ	50
۱۱	صاحب تحقیق وتصنیف مولانا حبیب اللہ ڈیرویؒ	مولانا مفتی رب نواز	58
۱۲	غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر	مولانا مجیب الرحمٰن	73
۱۳	کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ	مولانا خادم حسین بدر	83
۱۴	مجلّہ صفدر کے غامدی نمبر پر ماہنامہ حق چار یار کا تبصرہ	مولانا عبدالجبار سلفی	92
۱۵	مجلّہ صفدر جلد نمبر ۱۰ کی فہرست	جنوری تا دسمبر ۲۰۲۰ء	96

مجلہ صفدر کے اجراء کا طریقہ: ۱۔ اپنا نام، مکمل ڈاک پتہ، موبائل نمبر اردو میں صاف خوشخط لکھ کر ارسال فرمائیں۔ ۲۔ کس سن اور ماہ سے رسالہ جاری کرنا ہے، اس کی وضاحت فرمائیں۔ ۳۔ سالانہ زرتعاون مبلغ چارصد (۴۰۰) روپے یا اتنی مالیت کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں۔ ۴۔ منی آرڈر، وی پی، (۱۰، ۱۵/ یا ۲۵/ روپے والے) ڈاک ٹکٹ یا میزان بینک اکاؤنٹ کے ذریعہ رقم ارسال کی جاسکتی ہے۔ رقم بھیجتے وقت تفصیل بتائیں اور بھیج کر اطلاع ضرور فرمائیں، ورنہ ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔ ۵۔ رسالہ جاری ہونے پر اپنا خریداری نمبر محفوظ رکھیں! ۶۔ زرسالانہ ختم ہونے پر اطلاع کے تین ماہ بعد رسالہ کی ترسیل موقوف کردی جاتی ہے۔ لہٰذا ترسیل جاری رکھنے کے لیے زرسالانہ کی بروقت ادائیگی کو یقینی بنائیں۔ **جزاکم اللہ أحسن الجزاء.**

مجلّہ صفدر، حمزہ احسانی، مکان ۴، گلی ۸۲، محمود اسٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

0307-5687800_0334-4612774 واٹس ایپ: 0312-4612774

ای میل: hamza.ehsani44@gmail.com

(سرفراز الحسن خان حمزہ......میزان بینک، اچھرہ برانچ، لاہور)

branch cod: 0285 acount n: 0104566580

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم

دریچہ دِل

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ. [بخاری: ۶۲۲۷، مسلم: ۲۶۱۲] (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت [صفات] پر پیدا کیا۔) حق سبحانہ عزوجل کی صفات کا مظہر انسان ہے، ذاتِ لطیف کی صفاتِ لطیفہ کے مظہر میں لطافت ضروری ہے، جیسے آئینہ' سامنے آنے والی اشیاء کا مظہر ہے، لیکن جب تک وہ مٹی کی کدورت اور کثافت سے پاک نہیں ہوتا' اپنے وجود میں کسی کا عکس نہیں سموسکتا، اِسی طرح انسان کا وجود بھی مٹی اور دیگر عناصر سے پاک نہ ہوتو مظہر صفاتِ باری نہیں ہوسکتا۔

نیز آئینہ بننے کی صلاحیت صرف قلب میں ہے، باقی جسد نفس کا مجموعہ ہے، جو دِل کو بھی اپنی حاکمیت میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب دِل میں صلاحیت نہ ہوتو وہ نفس کے آگے اِس طرح ذلیل ومجبور ومحکوم ہوتا ہے جیسے ایک سرکش فرعون کے سامنے ایک بے بس غریب۔ **اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً.** [النمل: ۳۴] (بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب کرڈالتے ہیں، اور اس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کرکے چھوڑتے ہیں۔)

لیکن جب انسان ریاضت ومحنت سے دِل میں صلاحیت پیدا کرلے اور احکم الحاکمین سے تعلق کی راہ نکالے یعنی خلوت میں ذِکر سے لطافت پیدا کرے اور عکس جمالِ یار ہوجائے اور عالمِ اَمر سے انوارات و الطاف کی بارش سے منور وسرسبز ہوجائے تو عالمِ امر کا عکس بن جاتا ہے، اور صفاتِ ذات اس میں منطبع ہوجاتی ہیں، پھر اِس کے سامنے نفس امارہ (جو عالم خلق کا کمتر حصہ ہے،) کیا حکم چلاسکتا ہے؟ بلکہ بالآخر وہ **مطمئنہ** بن جاتا ہے اور دِل کے احکامات کو من وعن قبول کرتا ہے، بلکہ سارے نفوس اس کے سامنے سرنگوں ہوجاتے ہیں۔

دِل اگر براہِ راست عالم اَمر سے احکامات لے تو یہ نبوت ہے اور اگر قلبِ نبوت سے براہِ راست لے تو عکس نبوت ہے۔ جو عالم ملکوت میں صدیقیت ہے، اور عالم ناسوت میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔

نفس جب تک حاکم ہوتو طوائف الملوکی ہوگی، اور وجود کے شعبوں میں گناہ اور فساد بڑھے گا، اِسی کو دیکھ کر فرشتوں نے اعتراض کیا تھا: ''**مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ**'' [البقرہ: ۳۰] ([یااللہ!] کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو اس میں فساد مچائے اور خون خرابہ کرے؟) لیکن دِل کی سرزمین فرشتوں سے اوجھل تھی، انہیں کیا پتہ کہ مقام دِل سے یہ عالم اَمر میں بسیرا کرے گا، جہاں ہماری رسائی نہیں، ہم تو پیغام رساں ہیں، اور یہ براہِ راست احکام لینے اور نافذ کرنے والا ہے۔ اور لفظِ خلافت کے پیچھے اِس مضمونِ نیابت کے راز کو وہ نہ سمجھ سکے۔ [یکم ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۲۰۲۰ء پیر]

پیامِ صفدر مدیر کے قلم سے

تشویشناک ملکی حالات/مجلّہ صفدر کے دس سال

۱)......شیعہ سنی فساد کی مجرمانہ کوشش اور اُس کے لیے ظالمانہ اقدامات

دولت، اقتدار اور دنیوی مفادات کے پجاریوں نے ایک مرتبہ پھر ملک عزیز پاکستان میں شیعہ سنی فساد کے نام پر آگ اور خون کی ہولی کھیلنے کا نہ صرف فیصلہ کر لیا ہے بلکہ ایک عرصہ تک اس کے لیے ماحول سازگار بنانے کے بعد اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ جب کوئی اور کوشش کامیاب نہیں ہوئی تو ظالموں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی اعلانیہ گستاخیوں کا راستہ اپنایا اور اہل سنت کے اُن علماء کو راستے سے ہٹانے کی روش اختیار کر لی جو اُن کے اِس منصوبے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ ظاہر بات ہے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گستاخی ہوگی تو کوئی بھی غیرت مند مسلمان سکون سے نہیں بیٹھ سکے گا، جب اہل سنت کے علماء کو خون میں نہلایا جائے گا تو کوئی بھی منصف مزاج خاموش نہیں رہے گا، ایسے ظالمانہ اور کافرانہ اقدامات پر جب مسلمان احتجاج کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے تو مولانا ڈاکٹر عادل خانؒ شہید جیسی غیرت مند اور سمجھدار قیادت عوام کو کسی بھی انتہائی اقدام سے باز رکھے گی تاکہ امن عامہ خراب نہ ہو، فساد نہ پھیلے اور خون خرابے کی نوبت نہ آئے۔ لہٰذا مکروہ اور ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اُنہیں راستے سے ہٹانا ضروری سمجھا گیا، یوں ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی گئی، ایک تو مسلمانوں کی تحریک تحفظ ناموس صحابہ کے راہ نما اور قائد کو شہید کر کے اہل اسلام کے جذبات کو برانگیختہ کیا گیا اور دوسری طرف دانش مند اور حکمت و جرأت کی صفات سے متصف قیادت مسلمانوں سے چھین کر انھیں اُس لاوے کی طرف دھکیل دیا گیا جس کے پھٹنے میں وحشیوں کا مفاد پنہاں ہے۔

پاکستانی مسلمانوں کا اصل امتحان اَب شروع ہوا ہے کہ کس طرح وہ بیک وقت غیرت و جرأت اور حکمت کا مظاہرہ کرتے ہیں، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ناموس کے حوالے سے کسی بے حمیتی اور لاپرواہی کا شکار ہونے سے بچنا بھی عین ایمان ہے اور خون خرابے، شرپسندی اور فساد سے احتراز بھی عین مصلحت ہے۔ ہم اِس موقع پر صرف دو باتیں کہنا چاہیں گے:

(۱)......دنیا کے مفاد کی خاطر صحابہ کی گستاخیاں کرانے والے لوگ، چار دن کے نفع کی خاطر علماء کو خون میں تڑپانے والی قوتیں، ملک و قوم کو فساد، فتنہ اور قتل و غارت کی آگ میں دھکیلنے والے عناصر کیا خود اِس آگ سے بچ سکیں گے؟ ہرگز نہیں! یہ آگ ضرور بالضرور اُن کے اپنے گھروں تک پہنچے گی، اُن کے سینے

چھلنی، بچے یتیم اور بیویاں بیوہ ہوں گی، یہ باری تعالیٰ کی سنت ہے کہ ظلم کا بدلہ ضرور مل کر رہتا ہے۔ اور اِس ظلم عظیم کی قدرتی سزا اِس قدر بھیانک ہوگی کہ سات نسلوں تک نشان عبرت بنا چھوڑے گی۔

(۲)...... یہ سب کچھ اگر خود حکومت اور ریاستی ادارے نہیں کروا رہے تو یہ سلسلہ آگے کیوں بڑھتا چلا جا رہا ہے؟ پرویز مشرف یا کسی بھی ریاستی ادارے کے متعلقین پر حملہ کرنے والا ہر شخص زمین کی تہہ سے بھی ڈھونڈ نکالا جا سکتا ہے تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی گستاخی کرنے والے اور علماء کو نشانہ بنانے والے کیوں گرفتار نہیں ہوسکتے؟ شیعہ سنی ۷۰ سال سے اِس ملک میں رہ رہے ہیں، دونوں ہی عقائد وافکار کے لحاظ سے ایک دوسرے کو مومن و مسلمان نہیں سمجھتے، لیکن جب تک ریاستی اداروں کی ضرورت نہ ہو تب تک کبھی ''شیعہ سنی فساد'' نام کی چیز سننے میں نہیں آئی، یہ آفت اور بلائے ناگہانی تبھی مسلط ہوتی ہے جب حکومت یا اداروں کا مفاد اس سے وابستہ ہوتا ہے، لہٰذا ہم اِس کے ذمہ داروں کو خبردار کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر وہ قدرت کے بھیانک انتقام سے بچنا چاہتے ہیں تو اپنے مکروہ عزائم سے باز آجائیں ورنہ دنیا وآخرت میں عذابِ خداوندی کے لیے تیار ہو جائیں۔

اور احتجاج کرنے والوں سے بھی گزارش ہے کہ وہ شیعوں کے ساتھ ساتھ اُن شیطانوں کو بھی آنکھیں دکھائیں جن کی شہ پر شیعوں نے خباثت کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔ اور اپنا رخ اُن کی طرف بھی رکھیں جو اِس ساری صورتِ حال کے بنیادی کردار ہیں۔ کتنی عجیب بات ہوگی کہ ہم مجرم سے مطالبہ کریں کہ جس مہرے کو تم نے صحابہ کی گستاخی پر اُبھارا ہے اُسے سزا دو! چاہیے تو یہ کہ اصل مجرم کے ساتھ دو دو ہاتھ کیے جائیں۔ تاکہ یہ آگ شیعوں اور سنیوں کے بجائے اصل مجرموں کا رخ کرے۔

۲)......مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے ''مسلمان بھائی''

گزشتہ دنوں دارالعلوم کراچی کے صدر مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے خطبہ جمعہ کے موقع پر فرمایا:

''ہمارا مسلک یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد واتفاق رہے، شیعہ بھی مسلمان ہیں، وہ بھی ہمارے بھائی ہیں، کچھ شیعہ تو ایسے ہیں جو کافروں کے درجے میں پہنچ گئے، لیکن پاکستان میں جو شیعہ ہیں، اِن کو ہم کافر نہیں کہتے، مسلمان ہیں، ہمارے بھائی ہیں، پاکستان بنانے میں ہمارے ساتھ شریک تھے، اِنہوں نے ووٹ پاکستان کے حق میں دیا تھا، اور جتنے جہاد پاکستان میں بھارت کے خلاف ہوئے مسلمانوں نے، سنیوں اور شیعوں نے اس کے اندر مل کر مقابلہ کیا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں سنی اور شیعہ دونوں برابر شریک تھے، دونوں نے پوری کوشش کی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ تو بہت ساری چیزوں میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں، وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، لیکن یاد رکھیے! اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں، ہمارا طریقہ یہ ہے۔ دشمنانِ اسلام اِس کوشش میں رہتے ہیں کہ شیعہ

سنی فسادات ہو جائیں، جب کبھی بھی اسلام کے بول بالے کی نوبت آئی اور اسلام کے کام میں ترقیاں ہوئی ہیں دشمنوں نے شیعہ سنی جھگڑے کھڑے کیے، ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں اسلام کا کام بڑی تیزی سے، بڑا اچھا شروع کیا، لیکن انہوں نے شیعہ سنی جھگڑے شروع کر دیئے۔ اس میں غیر مسلم ممالک بھی شریک ہو گئے اور انہوں نے پورے ملک میں فسادات پھیلا دیئے، شیعہ سنی فسادات ہو گئے، اِس سے بچیں، اِس سے بالکل احتراز کریں، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا حرام ہے، اور مسلمانوں میں لڑائی کرنا سخت گناہ ہے، اِس سے بچنے کا اہتمام کریں۔''

حضرت کے بیان کے مندرجہ بالا حصہ میں یہ اُمور واضح ہیں:

ا: شیعہ مسلمان ہیں۔......۲: کچھ شیعہ کفر کے درجہ میں پہنچ گئے۔......۳: پاکستان کے شیعہ مسلمان ہیں۔......۴: پاکستانی شیعہ مولانا مفتی محمد رفیع صاحب کے بھائی ہیں۔ کیونکہ وہ پاکستان بنانے میں، بھارت کے ساتھ ہونے والے جہاد میں اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے میں شریک تھے۔......۵: دشمنانِ اسلام پاکستان میں شیعہ سنی فسادات بھڑکانا چاہتے ہیں۔......۶: جب کبھی پاکستان میں اسلام کے کام میں ترقی ہوئی، شیعہ سنی فسادات برپا کر دیئے گئے۔......۷: فسادات سے بچنا لازم ہے۔

حضرت کی اِس بات سے ہمیں سو فیصد اتفاق ہے کہ پاکستان میں شیعہ سنی فسادات کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور فسادات سے بچنا ہر حال میں لازم ہے، کیونکہ اِس سے اسلام اور مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچتا ہے اور تجربہ یہ ہے کہ فسادات کی آڑ میں دشمن' اہل سنت کے سرکردہ علماء کو ہی نشانہ بناتا ہے۔ اور جب جذباتیت کا گرد و غبار چھٹتا ہے تو اہل سنت کے فکری، جانی، مالی اور قومی نقصانات اِس قدر زیادہ ہو چکے ہوتے ہیں جنھیں شمار کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اِن فسادات سے بچنے کے لیے پاکستان کے تمام شیعوں کو مسلمان قرار دینے کی منطق کسی طرح بھی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے، خدانخواستہ کل کو مسلمانوں اور قادیانیوں میں جھگڑے اور قتل و غارت گری کی نوبت آ جائے تو پھر اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے کیا قادیانیوں کو بھی مسلمان قرار دیا جائے گا؟

رہی بات پاکستان اور بھارت کی باہمی جنگوں کی، تو ان جنگوں کے دوران پاکستان میں رہنے والے بہت سے غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ بھی پاکستان کے ہی حمایتی تھے، کیا اِس ''دلیل شرعی'' کی بنیاد پر وہ بھی مسلمان کہلائیں گے؟

اگر پاکستان بنانے میں کسی قادیانی کی جھوٹی سچی تائید شامل رہی ہو تو کیا یہ ''اُصولی قانون'' وہاں بھی لاگو ہو گا اور اُسے بھی برسرِ منبرِ اسلام کی سند مہیا کی جائے گی؟

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں بعض عیسائی وغیرہ بھی مسلمانوں کے موقف کی تائید

کرتے ہیں، کہ جیسے: مسلمان حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو مانتے ہیں، لیکن اُن کے بعد ایک اور نبی کو بھی تسلیم کرتے ہیں، اِس لیے ہم مسلمانوں کو کبھی بھی اِس بات کا حق نہیں دے سکتے کہ وہ عیسائی ہونے کا دعویٰ کریں، اسی طرح قادیانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اُن کے بعد ایک اور شخص کو بھی نبی تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا اُصولی طور پر مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قادیانیوں کو اسلام کی طرف نسبت کی اجازت نہ دیں۔ تو کیا یہ ''فقہی ضابطہ'' اُن عیسائیوں کو بھی مسلمان قرار دینے میں مؤثر ہوگا؟

مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ جب بھی پاکستان میں اسلام کے کام میں ترقی شروع ہوتی ہے، دشمن شیعہ سنی فسادات شروع کرا دیتا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں تو بعض اسلامی شعائر کی طرف پیش رفت ہر ایک کو دکھائی دے رہی تھی، لیکن آج کل کون سی اسلامی ترقی ہے جس کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو یہ فسادات کرانے کی ضرورت پڑ گئی؟ خود مفتی صاحب نے ہی ایک دن دارالعلوم کراچی کے چندے میں کمی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: موجودہ حکومت کی طرف سے ریاست مدینہ کا دعویٰ تو ہے، لیکن دُور دُور تک اس کے کوئی اثرات نہیں، کوئی کام شروع ہوتا بھی نظر نہیں آیا۔ جب موجودہ حکومت کے اقدامات ہی ریاست مدینہ کے برعکس ہیں، تو یہ صورتِ حال اسلام دشمنوں کی ناپاک خواہشات کے عین مطابق ہے، لہٰذا اَب اُنہیں شیعہ سنی فسادات برپا کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟

حضرت مفتی صاحب اِس سے قبل بھی غیر محتاط اور غیر درست باتیں ارشاد فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ

۱۔ ایک بیان میں بندہ نے خود سنا، فرما رہے تھے: جب تقسیم ہند کی تحریک چلی تو لوگوں کے دو گروہ ہو گئے، ایک طرف مسلمان تھے، اور دوسری طرف کافر۔ مسلمانوں کی زبان پر نعرہ تھا: ''بن کے رہے گا پاکستان، لے کے رہیں گے پاکستان''۔ وغیرہ۔ موصوف نے یہاں تقسیم ہند کے نظریہ سے اختلاف رکھنے والوں کو بلا کسی استثناء کے کافروں کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اور یہ حضرت کی سبقتِ لسانی نہیں تھی، کیونکہ یہی بات اِس سے قبل واہ کینٹ (ٹیکسلا) کے ایک بیان میں بھی ارشاد فرما چکے تھے۔

۲۔ بندہ نے اپنے جدامجد حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مفتی صاحب سے مضمون کی گزارش کی تو اُس میں حضرت نے لکھ دیا کہ: دیوبندی بریلوی اختلاف محض لفظی اختلاف ہے، عقائد کے باب میں کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کی بنیاد پر ایک دوسرے کو فاسق یا گمراہ کہا جا سکے۔ حالانکہ گزشتہ تقریباً ایک صدی سے اکابر اہل سنت دیوبند، سنی عوام کو بریلوی اَفکار و نظریات اور بدعات و رسومات سے بچانے کے لیے تقریر، تحریر، مناظرہ، دعوت، تدریس غرضیکہ ہر میدان میں نمایاں خدمات سرانجام دیتے چلے آئے ہیں۔ لیکن حضرت مفتی صاحب موصوف کے ارشاد کی روشنی میں دیکھا جائے تو اُن سب اکابر کے علم و فہم یا

دیانت وتقویٰ پر سوالیہ نشان قائم ہوجاتا ہے کہ انہوں نے محض لفظی اختلاف کے لیے مناظروں کے میدان سجائے، ہزاروں صفحات لکھنے اور شائع کرنے پر وقت اور سرمایہ ضائع کیا، سیکڑوں تقاریر و دُروس میں یہ مسائل بیان کیے اور خود بے چارے سمجھے تک نہیں کہ یہ اختلاف محض لفظی اختلاف ہے۔

۳۔ حال ہی میں منعقد ہونے والے ایک سرکاری اجلاس کے شریک کا کہنا ہے کہ اس اجلاس میں حضرت موصوف نے مسلک اہل سنت دیوبند کی طرف اپنی نسبت کا ہی انکار کر دیا کہ ''میں دیوبندی نہیں ہوں۔'' موصوف اپنے بیانات میں فرماتے رہتے ہیں کہ دیوبندی کے لفظ سے تعصب اور فرقہ واریت کی بو آتی ہے، (جبکہ اپنے آپ کو پاکستانی کہلانے میں کسی قسم کی کوئی بو نہیں آتی۔[احسن]) غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ''اہل سنت'' کا عنوان بھی فرقہ واریت کا نشان قرار دے دیا جائے بلکہ کہیں اسلام کو ہی تفرقہ کی علامت باور کیا جاتا ہو تو کیا ہم اسلام اور حضور کی سنت و جماعت کی طرف نسبت کی بھی نفی کر دیں گے؟

۴۔ پہلے حضرت مفتی صاحب نے بریلویوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ: اُن سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں، اَب جناب نے شیعوں کو مسلمان ہونے کی سند فراہم کر دی ہے۔ آئندہ سالوں میں حضرت کی یہ پیش رفت کہاں تک جائے گی، فی الوقت کچھ کہنا مشکل ہے۔

حضرت کے اِن ارشادات پر تفصیلی گزارشات پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن سردست ہم حضرت موصوف کے ''مسلمان بھائیوں'' کے چند حوالہ جات پیش خدمت کر کے قارئین کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ اِن نظریات کے باوجود یہ سب لوگ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کے ''مسلمان بھائی'' ہیں، اِن کے مسلمان ہونے کی وجہ اور واحد وجہ یہی ہے کہ یہ پاکستانی ہیں اور کوئی پاکستانی شیعہ کافر نہیں ہوسکتا، چاہے دنیا جہان کے کفریہ نظریات اپنا لے۔ نیز بقول مفتی صاحب شیعہ پاکستان بنانے میں شریک تھے، اور پاکستان ایسی مقدس گائے ہے جس کا تقدس قرآن کریم اور صحابہ کرامؓ سے بھی بڑھ کر ہے، لہٰذا اِس کے بنانے میں حصہ ڈالنے والے یا اس میں رہنے والے نظریات کے اعتبار سے بھی ''**اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنة**'' کا مصداق ہیں، ان کا کوئی نظریہ یا عمل انہیں اسلام سے خارج نہیں کر سکتا۔

حیرت اور شدید حیرت اِس بات پر ہے کہ شیعوں کی مطلق تکفیر کا فتویٰ دیتے وقت یہ حضرات احتیاط کا اظہار کرتے ہیں کہ شاید کوئی شیعہ ایسے بھی ہوں جو فلاں فلاں عقائد نہ رکھتے ہوں، لہٰذا مطلقاً تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن جب پاکستان کے شیعوں کو مطلقاً مسلمان قرار دیا اُس وقت وہ احتیاط، فقہی ضابطہ اور اُصول وقانون ہوا ہوگیا، کیا موصوف نے پاکستان کے تمام شیعوں کے نظریات کی معلومات حاصل کر لی تھیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ دوہرا معیار کس واسطے قائم ہوا؟ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے

ہیں: کسی مسلمان کو کافر قرار دینا جرم ہے تو کافر کو مسلمان قرار دینا بھی برابر کا جرم ہے۔[**اکفار الملحدین**]

اب دیکھیے مفتی صاحب کے ''مسلمان بھائیوں'' کی ہرزہ سرائیوں کے چند نمونے۔ یہ حوالہ جات ہم نے قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی تحریرات اور شیعوں کی تقاریر کی ریکارڈنگ سے لیے ہیں۔

(۱)...... پاکستانی شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو مقیم سرگودھا لکھتے ہیں:

ا۔ ''جناب امیر (یعنی حضرت علی المرتضیٰؓ) خلافت ثلاثہ کو غاصبانہ وجابرانہ اور خلفائے ثلاثہ کو گناہگار، کذاب، غدار، خیانت کار اور ظالم وغاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبوت کا حق دار سمجھتے تھے۔'' [تجلیات صداقت: ۲۰۶، ناشر انجمن حیدری، بھون روڈ، چکوال]

۲۔ ''اصحابِ ثلاثہ اور ان کے تابعین ہرگز اس میں شامل نہیں ہیں، کیونکہ یہ نہ مومن ہیں نہ مخلص مہاجر۔'' [ایضاً: ۴۹]

۳۔ ''دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ حضرات اصحابِ ثلاثہ (یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان) کے بارے میں ہے، اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب اور امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولتِ ایمان وایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں۔ [تجلیات صداقت: ۲۰۱، طبع اول۔ ص: ۲۱۶، طبع دوم]

لیجیے! خلفائے ثلاثہ کے ایمان واخلاص کی نفی کر کے انھیں کذاب، غدار، خیانت کار اور ظالم تک کہہ دیا۔ لیکن یہ کون سی کوئی بڑی بات ہے، جس کی بنیاد پر مفتی صاحب اِن کے اسلام واخوت کی نفی فرمادیں؟

(۲)...... پاکستان کے ایک اور شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش جاڑا (دریا خان میانوالی) لکھتے ہیں:

ا۔ ''یہ لوگ (ثلاثہ) دِل وجان سے مومن نہیں تھے، البتہ ظاہراً زبانی طور پر وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے۔'' [**تفسیر انوار النجف**: ۵۷]

۲۔ ''خالد سیف اللہ نہیں سیف الشیطان تھا۔'' [ایضاً: ۱۰۰]

۳۔ ''(امام محمد باقر) نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں پورے قرآن کا جامع ہوں، جس طرح وہ اترا تھا تو وہ جھوٹا ہے، بلکہ جس طرح اترا تھا، اس طرح پورے طور پر اس کو جمع اور حفظ سوائے علی بن ابی طالب کے اور کوئی کر ہی نہیں سکا۔ [ایضا: ۱/۲۷]

خلفائے ثلاثہ کے ایمان کا اِنکار (جس میں صحابیت صدیقؓ کے انکار کی وجہ سے قرآن کا انکار بھی لازم آتا ہے۔) سیدنا خالدؓ بن ولید کی گستاخی اور تحریف قرآن کا اقرار۔ لیکن چھوڑیئے جی! یہ بھی بھلا کوئی کفر کی باتیں ہیں کہ مفتی صاحب اِن کی وجہ سے فتویٰ تکفیر جاری فرمائیں؟

(۳)...... ایک اور شیعہ مصنف مولوی غلام حسین نجفی (لاہور) نے لکھا ہے:

ا۔ ’’جناب عمر کا موجودہ قرآن پر ایمان نہ تھا...... جناب عمر جہنم کا تالا ہے، اور بہتر تو یہ تھا کہ جہنم کا گیٹ ہوتا۔‘‘ العیاذ باللہ [سہم مسموم فی جواب نکاح ام کلثوم]

۲۔ ’’فریقین کی بعض روایات کے مطابق ائمہ اطہار علیہم السلام کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں موجود تھے، مگر جمع قرآن کے وقت انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔‘‘ [اثبات الامامت: ۳۱۲، طبع دوم]

۳۔ اس سلسلہ میں ان کی پہلی اور محکم دلیل وہ روایات ہیں جو اس مسئلہ کے متعلق کتب فریقین میں موجود ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جمع قرآن کے وقت اس میں فی الجملہ ضرور کچھ کمی واقعی ہوئی۔ یہ روایات اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ان سب کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔‘‘ [ایضاً: ۴۹۱]...... ’’(تحریف قرآن کے) اس نظریہ سے کسی اسلامی مسلمہ عقیدے کی مخالفت لازم نہیں آتی۔‘‘ [ایضاً: ۴۹۳]

۴۔ ’’اگر اہل دنیا نے ثلاثہ کو امام بنایا ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی اہل دنیا نے امام بنایا ہے۔ جناب ابوبکر اور مرزا صاحب میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں کو اہل دنیا نے منصبِ امام دیا ہے۔ [جاگیر فدک: ۵۰۹]

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو جہنم کا تالا کہا، تحریف قرآن کا اقرار کیا، سیدنا ابوبکرؓ اور مرزا غلام قادیانی کو برابر قرار دیا۔ لیکن جانے دیجیے! بھلا اتنی معمولی باتوں پر بھی کہیں کفر کا فتویٰ لگایا جاتا ہے؟

(۴)......شیعہ رسالہ خیر العمل، لاہور [نومبر ۱۹۸۷ء] کے اداریہ میں ڈاکٹر عسکری نے لکھا ہے:

’’سقیفائی خلافتوں کے مدمقابل وہی شخصیت تھی جسے آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد خلافت پر نصب و مقرر کیا تھا یعنی علی بن ابی طالب علیہ السلام، لہٰذا اُن کے متعلق آیات پر ہی سقیفائی رندہ پھیرا گیا اور ایک موطا قرآن تیار کیا گیا جس میں فضائل علی کی صفائی کی گئی ہو۔......سقیفائی خلیفے چونکہ خود قریشی تھے اور جامع القرآن خود اموی تھا، اس لیے احترام خلافت کو برقرار رکھنے کے لیے قرآن کمیٹی کے نوخیزوں نے قریشی اور اموی موذیان رسول کے بدناموں کو خارج دفتر کر دیا۔‘‘

(۵)......مفتی رفیع صاحب کے ایک اور پاکستانی ’’مسلمان بھائی‘‘ کی گفتگو ملاحظہ ہو:

’’ہمارا عقیدہ ہے اور سینہ ٹھوک کر عقیدہ ہے کہ ہم مولا علی کو انبیاء سے افضل مانتے ہیں، ہمارے نبی کے بعد اگر کائنات میں کوئی صاحب فضیلت ہے تو وہ علی ہے۔‘‘

(۶)......شہنشاہ حسین نقوی نامی صاحب بھی یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ:

’’ہم مولا علی کو انبیاء کے برابر نہیں مانتے، انبیاء سے افضل مانتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے، تشریح بھی ہم کریں گے، آپ نہیں کریں گے۔‘‘

(۷)......مفتی صاحب کے ساجد علی نقوی نامی پاکستانی ’’مسلمان بھائی‘‘ کی سنیے:

’’میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں خلفاء کی خلافت کا منکر ہوں۔‘‘

سیدنا علی کو تمام انبیاءؑ سے افضل قرار دیا۔ تحریف قرآن کا عقیدہ تسلیم کیا۔[1] خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا اِنکار کر دیا تو کیا ہوا؟ بھولے بادشاہو! اَب اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا کر مفتی صاحب اِن پر کفر کا فتویٰ کیوں لگانے لگے، اور محض اِن کی وجہ سے کیوں انھیں اپنے ''مسلمان بھائیوں'' کی فہرست سے نکالنے لگے؟

(۸)......بعض سفید ریش لوگوں کے نزدیک ''معتدل رافضی'' سمجھے جانے والے جواد نقوی کی بھی پڑھ لیجیے:

ا۔ سیدہ فاطمہ نے جب مسجد میں خطبہ دیا تو اِس قدر شدت سے روئیں کہ یہ اشقیاء (یعنی صحابہ کرام) بھی رونے لگے۔

۲۔ (ابوبکر وعمر) سیدہ کے گھر آئے، سیدہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ جو جانشینی کے دعویدار ہو؟ میں فاطمہ ہوں، انہوں نے کہا: علی کو باہر بھیجو، ...پھر دروازے کو آگ لگائی اور ٹھوکر مار کر گرایا تو محسن شہید ہو گئے، سیدہ کا پہلو زخمی ہو گیا...وہ اندر آئے، علی کو باہر لے جانے لگے، زہرا نے علی کا ہاتھ تھام لیا، وہ لعین جو علی کو اندر سے باہر لا رہا تھا، اس نے زہرا کے دست اقدس پر تازیانہ اس زور سے مارا کہ ہاتھ زخمی ہو کر چھوٹ گیا۔

حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) کو اشقیاء اور لعین کہہ دیا تو اِس سے کون سے مسلمہ اسلامی عقیدے پر ضرب پڑی کہ مفتی صاحب انھیں ''مسلمان'' یا اپنا ''بھائی'' شمار نہ کریں؟

(۹)......مفتی صاحب کے ایک پاکستانی مسلمان بھائی نے تو حد ہی کر دی:

''(یہ ملک) خداداد نہیں ہے، خدا نے یہ ملک نہیں دیا گھوڑے نے دیا ہے، پاکستان کا مطلب کیا؟ ''لا الہ'' نہیں، پاکستان کا مطلب کیا؟ ذوالجنا اا اح۔ پاکستان کا مطلب گھوڑا، پاکستان کا مطلب دُلدُل۔ ......حسین کا شبیہ کا گھوڑا جب دعائیں پوری کر دیتا ہے تو حسین کیا ہے، جو رَب بن جاتا ہے۔'' نعوذ باللہ

ملک عطا کرنے کی نسبت خدا کے بجائے گھوڑے کی طرف کر دی تو کیا خرابی لازم آئی؟ پاکستان کا مطلب لا الہ کے بجائے ''گھوڑا'' قرار دے دیا تو آخر کون سا کفر لازم آیا؟ سیدنا امام حسینؓ کو اگر ''خدا'' کہہ دیا تو بھلا اِس سے توحید میں کیا فرق پڑا؟ بھلا اِن بے وقعت حوالوں کی 'مفتی صاحب کے ''وزنی دلائل' کے سامنے کوئی حیثیت ہے کہ وہ انھیں دیکھ کر شیعہ کے ''مسلمان بھائی'' ہونے کی رائے بدل لیں؟

قارئین ایک مرتبہ پھر مولانا مفتی محمد رفیع عثانی صاحب کے اِن ''مسلمان بھائیوں'' کے اَفکار پڑھ کر ذرا تصور کیجیے کہ اگر یہ بھی مسلمان ہیں تو پھر دنیا میں کافر کون ہوگا؟

---

[1] شیعوں کی طرف سے تحریف قرآن کا عقیدہ تسلیم کرنے کے یہ حوالہ جات مولانا منظور احمد مینگل اور مولانا مفتی محمد رضوان [راولپنڈی] کو بھی دعوتِ غور و فکر دے رہے ہیں، ہر دو حضرات آج کل اپنی قوت اِس بات پر صرف کرنے میں مگن ہیں کہ: شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔ **فیاللعجب**

مفتی صاحب کا وضاحتی بیان:

مفتی صاحب کا مذکورہ بالا بیان سوشل میڈیا کے ذریعہ نشر ہوا تو ہر طرف سے موصوف کو طعن و تشنیع اور ملامت کا نشانہ بنایا گیا، چنانچہ مفتی صاحب نے ایک وضاحتی بیان جاری فرمایا، ملاحظہ ہو!

''شیعہ فرقہ کے بارے میں دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی سے تمام قیود وشرائط کے ساتھ جو فتویٰ جاری ہوتا ہے، درحقیقت وہی اِس مسئلہ کے بارے میں میرا اور جامعہ دارالعلوم کراچی کا موقف ہے، جہاں تک میری حالیہ تقریر کا تعلق ہے تو اس کے سیاق وسباق سے یہ بات واضح ہے کہ اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ محرم کے زمانے کو لڑائی جھگڑے اور قتل وقتال کا ذریعہ بنانے سے اجتناب لازم ہے، تاکہ دشمنان اسلام اختلاف اور جھگڑوں کی بنیاد پر شیعہ اور سنی فرقوں کے درمیان اشتعال انگیزی اور لڑائی جھگڑے پیدا کر کے اپنے مذموم مقاصد حاصل نہ کریں، ہمارا فتویٰ یہ ہے کہ علی الاطلاق تمام شیعوں کی تکفیر درست نہیں، کیونکہ عقیدہ کے لحاظ سے شیعوں کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں جو شیعہ کفریہ عقائد رکھتے ہوں، مثلاً: قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہوں، یا یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے، یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معبود مانتے ہوں، ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، لیکن یہ بات کہ تمام شیعہ یہ، یا اِس قسم کے کافرانہ عقائد رکھتے ہیں، تحقیق سے ثابت نہیں ہوئی، اور کئی شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری مذہبی کتاب الکافی یا اصول الکافی میں جتنی باتیں لکھی ہیں ہم ان سب کو درست نہیں سمجھتے۔

دوسری طرف کسی کو کافر قرار دینا کیونکہ نہایت سنگین معاملہ ہے، اِس لیے اِس میں بے حد احتیاط ضروری ہے، اگر بالفرض کوئی تقیہ بھی کرے تو وہ اپنے باطنی عقائد کی وجہ سے عنداللہ کافر ہوگا، لیکن فتویٰ اُس کے ظاہری اقوال پر ہی دیا جائے گا، اِس لیے چودہ سو سال میں علمائے اہل سنت کی اکثریت شیعوں کو علی الاطلاق کافر کہنے کے بجائے یہ کہتی آئی ہے کہ جو شیعہ ایسے کافرانہ عقائد رکھے وہ کافر ہے، اور یہی طریقہ بیشتر اکابر علمائے دیوبند کا رہا ہے، لیکن اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شیعوں کی گمراہی میں کوئی شبہ ہے، جن شیعوں کو کافر قرار دینے سے احتیاط کی گئی ہے، بلاشبہ وہ بھی سخت ضلالت اور گمراہی میں ہیں۔''

یہاں بھی مفتی صاحب نے یک طرفہ بات کہی کہ: ''کسی کو کافر قرار دینا نہایت سنگین معاملہ ہے۔'' اور یہ پہلو ترک کر دیا کہ ''کسی کافر کو مسلمان قرار دینا بھی اتنا ہی سنگین معاملہ ہے۔'' نیز مفتی صاحب کا یہ دوہرا معیار اِس وضاحتی بیان میں بھی موجود ہے کہ یہ تو فرما دیا کہ ''علی الاطلاق شیعہ کافر نہیں۔ یہ عقائد تمام شیعہ میں ہونا تحقیق سے ثابت نہیں۔''، لیکن یہ حقیقت نہیں بتائی کہ ''کفریہ عقائد والے شیعہ پاکستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔'' آخر مفتی صاحب قوم کو کیا تاثر دینا چاہتے ہیں؟

شیعوں کی طرف سے صحابہ کرام کی حالیہ گستاخی پر مفتی صاحب نے اپنے ایک بیان میں ''صحابہ کی

گستاخی کو کافرانہ عمل'' قرار دیا ہے۔ہم سے یہ گتھی نہیں سلجھ سکی کہ دارالعلوم کراچی کے فتوے کے مطابق تحریف قرآن کے قائلین اور سیدنا علی کو معبود ماننے والے شیعہ کافر ہیں۔اور مفتی صاحب کے بقول صحابہ کی گستاخی کافرانہ عمل ہے۔لیکن جب یہی کفریہ نظریات اور کافرانہ عمل پاکستانی شیعوں میں ہوں تو وہ پاکستانی ہونے کی بنیاد پر ''مسلمان بھائی'' قرار پاتے ہیں۔

نیز مفتی صاحب نے وضاحتی گفتگو میں یہ تاثر اور مغالطہ دینے کی کوشش فرمائی ہے کہ: ''میرے بیان کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ میرا مقصد یہ ہے کہ قتل وقتال سے اجتناب لازم ہے۔'' حالانکہ مفتی صاحب کے بیان میں قتل وقتال سے ہٹ کر پاکستانی شیعوں کے مسلمان ہونے کی بات بھی کہی گئی ہے۔اور وضاحتی تحریر میں اُس سے آنکھیں بند فرمالی ہیں۔اِسے مغالطہ آمیزی کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟مفتی صاحب کو چاہیے کہ صاف لفظوں میں اقرار کریں کہ میں نے اپنے بیان میں پاکستان کے شیعوں کو مطلقاً مسلمان کہا تھا، جو میری غلطی ہے، صحیح یہ ہے کہ پاکستانی شیعوں میں بھی فلاں فلاں عقائد والے افراد موجود ہیں اور وہ سب کافر ہیں۔ورنہ یہ وضاحتی گفتگو یک رخے پن اور دوہرے معیار کا نمونہ ہی کہلائے گی۔

۳)......مسلکی خدمات سرانجام دینے والے توجہ فرمائیں!

پاکستان میں مروجہ جمہوری سیاست میں اہل مذہب کی نمائندگی کرنیوالی مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین اپنے ہی اکابر واسلاف کے برخلاف عقیدہ اور مسلک کی محنت سے نہ صرف یہ کہ خود غافل ہوچکے ہیں بلکہ اِس میدان میں کام کرنے والوں کو بھی اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں، بعض سیاسی قائدین جن کا گویا کہ مقصد اول ہی ''جمہوریت'' ہے، وہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے مخالف ہیں تو محض اِس لیے کہ وہ غیر جمہوری طریقہ سے برسراقتدار آئے تھے، اور نواز شریف وزرداری جیسوں کے ساتھ کندھا ملالیتے ہیں تو فقط اِس لیے کہ انھیں غیر جمہوری طریقہ سے دیوار کے ساتھ لگایا گیا ہے۔ایسے قائدین پاکستانی فوج پر تنقید کرتے ہیں تو اِسی عنوان پر کہ وہ جمہوریت کی راہ میں رکاوٹ ہے، اور دین دشمن قوتوں کو گلے لگالیتے ہیں تو صرف جمہوریت کی خاطر۔وہ عمران خان کے مخالف ہیں تو اِس لیے کہ وہ جمہور عوام کا نمائندہ نہیں پھر بھی اُسے بزور مسلط کردیا گیا ہے، اور الحادی نظریات رکھنے والی جماعتوں کے ساتھ ہم آواز ہیں تو اِس لیے کہ اُن کا جمہوری حق اُنھیں نہیں دیا گیا۔یعنی اُن قائدین کو اِس بات سے کوئی سروکار ہی نہیں کہ کس حکمران سے ہمارے مذہب ومسلک کو فائدہ پہنچا اور کس سے نقصان۔اُنھیں ہر حال میں جمہوریت اور جمہوری اَقدار عزیز ہیں۔

موجودہ مذہبی سیاسی تنظیموں کے راہنما نام تو حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ کا لیتے ہیں، لیکن جب مسلکی خدمات کی بات آتی ہے تو ان اکابر کی خدمات کو پس پشت ڈالتے ہوئے سرعام کہتے ہیں کہ ''مسلکی اختلافات کی گنجائش ہی نہیں۔'' لہٰذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے اِن نام

لیواؤں سے حضرت شیخ الاسلام کا اُسوہ دُور اور بہت دُور رہ گیا ہے۔ مسلکی خدمات انجام دینے والے تمام افراد و تنظیمات کی تحقیر و مخالفت کرنے اور انہیں ریاستی یا بیرونی سازشوں کا شکار قرار دینے والے نجانے کس طرح حضرت مدنی کا نام لیتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اِن راہ نماؤں کے زیر اثر اچھے اچھے باصلاحیت لوگوں کی صلاحیتوں کو زنگ لگتا جا رہا ہے، مسلکی میدان میں نمایاں خدمات انجام دینے والے افراد و جماعتیں اپنے اہداف و دائرہ کار سے بہت دُور نکلتی جا رہی ہیں، عوام کے عقیدہ و عمل کی حفاظت کے لیے قابل قدر اور لائق تحسین کوششیں انجام دینے والوں کی ترجیحات تک بدل گئی ہیں۔

مسلک اہل سنت کی اشاعت و حفاظت میں تاریخ رقم کرنے والی بلکہ سند کی حیثیت رکھنے والی جماعتیں ایسے مروجہ جمہوری سیاسی علماء کو اپنے اجتماعات میں بلا کر اپنے کارکنوں کو اپنے ہی اکابر کی سوچ و فکر سے ہٹانے کا سبب بن رہی ہیں۔ خالص مسلکی اجتماعات میں ایسے سیاسی علماء کی شرکت ہی کچھ کم قیامت ہے کہ انہیں مہمان خصوصی کے اعزاز سے بھی نوازا جا رہا ہے۔ اکابر اہل سنت کی دہائیوں کی جان توڑ محنتوں پر پانی پھیرتے اس طرح کے اقدامات موجودہ قیادت کی غیر مستقل مزاجی کا پتہ دیتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جس تنظیم یا تحریک کی قیادت اور بااختیار لوگ مستقل مزاجی سے نا آشنا ہوں اُس تحریک کی منزل اور رخ بدلنے میں کوئی دیر نہیں لگتی، حتیٰ کہ آغاز میں جس مشن کی علمبردار بن کر وہ تنظیم اُبھری ہوتی ہے، انجام کار اس سے مختلف دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ سب اسی مروجہ جمہوری سیاست کی نحوست ہے جسے **اھون البلیتین** قرار دے کر بامر مجبوری، بادلِ نخواستہ ''برداشت'' کرنے کے بجائے بطورِ اعزاز بخوشی ''قبول'' کیا جا رہا ہے اور خالص مسلکی اجتماعات میں اِس میدان کے سرکردہ حضرات کے ''سیاسی بیانات'' کو فخر کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔

ہمارے نانا محترم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ جماعت تحریک خدام اہل سنت کی کامیابی، عروج اور انفرادیت یہی تھی کہ نہ تو انہوں نے کبھی اپنے اجتماعات اور اسٹیج پر نعت خوروں اور جذباتی لوگوں کا قبضہ ہونے دیا اور نہ کبھی مروجہ جمہوری سیاست کے دلدادہ علماء کو اپنے اجتماعات میں دعوت دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سنی کانفرنس بھیں کے موقع پر جلسہ کے پہلے دن جناب اطہر ہاشمی صاحب نے ایک نظم پڑھنی شروع کی (متعہ تقیہ جھوٹ فساد، جس مذہب کی ہو بنیاد، آؤ اسے دیں مل کر داد، مردہ باد، مردہ باد۔) جو اشتعال انگیزی کا سبب بن سکتی تھی، لہٰذا حضرتؒ نے فوراً پیغام بھیج کر نظم رکوا دی اور پھر جلسہ ختم ہونے تک کوئی نظم نہیں پڑھی گئی۔ معلوم ہوا کہ حضرتؒ نے کارکنوں کی تربیت کو نظموں سے زیادہ اہمیت دی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

اِسی طرح حضرت قائد اہل سنتؒ ایسے حضرات کو اپنے اسٹیج پر نہیں بلاتے تھے جو دینی معاملات میں مسلک کے حوالے سے محتاط نہیں رہتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سنی کانفرنس بھیں کے موقع پر راولپنڈی کے ایک خطیب صاحب تشریف لائے تو حضرتؒ نے نقیب محفل مولانا رشید احمد الحسینی [حضرو] سے فرمایا: یہ آ گئے ہیں، اور سنا

ہے شانِ صحابہ اچھی بیان کرتے ہیں، اِس لیے دس منٹ کی گنجائش اِن کے لیے نکال لیں، آئندہ انھیں مستقل دعوت دیں گے۔ پانچ چھ ماہ بعد کسی طالب علم نے حضرت سے مشورہ لینا چاہا کہ اُن خطیب صاحب کے مدرسہ میں مماتی اور یزیدی مدرس بھی پڑھاتے ہیں، میں وہاں جاؤں یا نہیں؟ اتفاق سے مولانا رشید احمد بھی موجود تھے، تو حضرت نے اُس طالب کو بعد میں جواب دیا اور پہلے مولانا رشید صاحب سے فرمایا: اُن خطیب صاحب کو اپنے جلسے میں نہیں بلانا۔ ایک صحیح العقیدہ خطیب صاحب جنھوں نے مماتیوں اور یزیدیوں کو مدرس رکھا ہوا تھا، اُن کے حوالے سے حضرت قائد اہل سنتؒ کا یہ رویہ تھا تو جن لوگوں کی ساری زندگی شیعوں، مودودیوں اور دیگر فتنوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گزر گئی، اُنھیں اپنے کسی جلسہ میں بلانے کی گنجائش حضرتؒ کے ہاں کیسے ممکن ہوسکتی تھی؟ اُن کے جلسے ایسے سیاسی علماء کی شرکت سے محفوظ تھے۔

آج پختہ مسلکی سوچ کے حامل سمجھے جانے والے لوگ بھی مولانا فضل الرحمٰن اور اُن کی جماعت کے سرکردہ ''سیاسی'' حضرات کو اپنے خالص تربیتی مسلکی اجتماعات میں بلا کر سیاسی بیان کرانے کو اپنی بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں، حالانکہ اُنھیں اِس بات کا احساس تک نہیں کہ مسلکی کارکنوں کے خالص مذہبی اذہان کو سیاسی ذہنوں میں تبدیل کر کے وہ اپنے اکابر کی دہائیوں کی محنت خود اپنے ہاتھوں برباد کر رہے ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کو سمجھ نصیب فرمائیں۔ آمین۔ ہماری یہ گزارشات اگر کسی کو ناگوار گزریں تو وہ قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے درجِ ذیل اقتباسات غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ ملک عزیز پاکستان میں مسلک اہل سنت کی اشاعت وحفاظت کے سلسلہ میں حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر نمونہ ہمیں شاید نہ مل سکے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''سیاسی علماء کی خدمت میں: جمعیۃ علماء اسلام کے دونوں دھڑوں کے قائدین مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا سمیع الحق صاحب پاکستان میں نفاذ شریعت کے داعی ہیں، لیکن حیرت ہے کہ ان دونوں نے اِن ماتمی جلوسوں اور فوج اور پولیس کی طرف سے اس کے تحفظ کے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔ اور نہ ہی جمعیۃ علماء پاکستان کے صدر مولانا عبدالستار صاحب نیازی کا کوئی اس قسم کا تنقیدی بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے، کیا وہ ان ماتمی جلوسوں کو شرعاً ناجائز نہیں سمجھتے؟ اگر ایسا سمجھتے ہیں تو انہوں نے کم ازکم وزیر اعظم کے سامنے حق گوئی کا فریضہ کیوں نہیں سرانجام دیا؟ حالانکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر**۔ اور یہاں ہم.... قاضی حسین احمد صاحب سے بھی کہتے ہیں کہ وہ معمولی سے معمولی سیاسی معاملے کے متعلق بھی کوئی نہ کوئی بیان داغ دیتے ہیں.... لیکن شیعوں کے اِن خلافِ شرع ماتمی جلوسوں کے بارے میں اُنہوں نے کوئی بیان نہیں دیا..... اے عقل والو! اِن سیاسی زعماء کے طرزِ عمل سے عبرت حاصل کرو۔ [ماہنامہ حق چار یار: ۳۵/جولائی ۱۹۹۱ء]

دیکھ لیجیے! سیاسی زعماء کے ماتمی جلوسوں کے خلاف آواز نہ اُٹھانے کے طرزِ عمل سے حضرت قائد اہل سنتؒ عبرت حاصل کرنے کا فرمارہے ہیں۔

''علماءِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ امتیازی طور پر مذہب اہل سنت کی بنیاد پر اپنی جماعتی سیاست کو قائم رکھیں۔ جمہوریت زدہ لوگ تو اہل السنۃ والجماعۃ کے عنوان کو فرقہ واریت کا طعن دے کر مجروح کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن بغیر خوف لومۃ لائم علماءِ اسلام کے کرنے کا کام یہی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ تو اہل حق کا ایک امتیازی عنوان ونشان ہے اور یہ امتیازی نام ایسا ہی ہے جیسا کہ تمام سیاسی پارٹیوں کے علیحدہ علیحدہ اپنے مستقل نام وعنوان ہیں۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی وغیرہ جداگانہ ناموں کو کوئی فرقہ واریت کا طعنہ نہیں دیتا، حالانکہ ان پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر تم سب ملک میں جمہوریت چاہتے ہو تو پھر ایک ہی پارٹی کیوں نہیں بنالیتے؟ فرمایئے اگر مروجہ جمہوریت کے مشترک مقصد کے باوجود جدا جدا کئی سیاسی پارٹیاں اوران کے اپنے اپنے مستقل نام ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کو دوسری جماعتوں سے امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے تو پھر دین ومذہب کے نام پر (تمام مدعیان اسلام افراداور جماعتوں سے) بوجہ اُصول دین کے اختلاف کے ہم اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھنے کے لیے اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں تو یہ کیونکر محل اعتراض ہوسکتا ہے؟ اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل تشیع کے مابین کلمہ اسلام، اذان، عقیدہ خلافت وامامت، مسئلہ حفاظت وتحریف قرآن میں اصولی اختلافات ہیں تو پھر مذہبی بنیاد پر سیاست وحکومت میں اہل السنۃ والجماعۃ کے نام وعنوان سے کام کرنا کیونکر محل طعن وملامت ہوسکتا ہے؟'' [ایضا: ۷/ستمبر ۱۹۹۱ء]

حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا انتہائی بصیرت افروز ملفوظ بار بار پڑھنے کے قابل ہے، کیا دینی سیاسی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی ہے جس نے ''اہل سنت'' کا عنوان اختیار کیا ہو؟ جب مروجہ جمہوری سیاست کی بیڑیاں اُنہیں ''اہل سنت'' کا عنوان تک اختیار نہیں کرنے دیتیں تو اُن کے بیانات سے مذہبِ اہل سنت کی جو ''خدمت'' ہوگی محتاج بیان نہیں۔

''جنرل ضیاء الحق مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، اسلامی درد بھی رکھتے تھے، اور شروع شروع میں انہوں نے اسلامی نظام کے لیے بطورِ تمہید کچھ کام بھی کیے، لیکن آخر کار وہ بھی سیاست کی بھول بھلیوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔...... (میاں نواز شریف نے الیکشن بھی) شریعت بل کی بنیاد پر لڑا تھا، اور سنی قوم کی اکثریت نے اسی بنیاد پر ان کی بھرپور حمایت کی تھی، لیکن وزارتِ عظمیٰ کا منصب حاصل ہونے کے بعد وہ بھی ہوشیار سیاست دان ثابت ہوئے (اور) سابقہ تمام عہد وپیمان بھول گئے ع کیسے آنکھیں پھیرلیں مطلب نکل جانے کے بعد کا مصداق بن گئے۔'' [ماہنامہ حق چاریار، نومبر ۱۹۹۱ء، ص: ۴]

یعنی مروجہ جمہوری سیاست کے تقاضے انسان کو اسلامی درد رکھنے کے باوجود اسلامی اقدامات نہیں بجالانے دیتے چہ جائے کہ مذہب اور مسلک کی کسی خدمت کے قابل چھوڑیں۔

''(میاں محمد نواز شریف سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:) آپ کا یہ سیاسی طرزِ عمل اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ اس اسلام حقیقی کو نافذ نہیں کرنا چاہتے جو جنتی جماعت صحابہ اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وساطت سے مابعد امت کو ملا ہے۔'' [ماہنامہ حق چار یار، نومبر ۱۹۹۱ء، ص:۱۲]

یعنی ''سیاسی طرزِ عمل'' حقیقی اسلام کے نفاذ سے بچنے کے لیے ہی استعمال ہو رہا ہے، نہ کہ اسلام یا اہل اسلام کی کسی مذہبی اور اعتقادی خدمت کے لیے۔

''اِس غیر اسلامی جمہوری سیاست سے سب سے زیادہ نقصان سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کو پہنچ رہا ہے۔'' [ماہنامہ حق چار یار، نومبر ۱۹۹۱ء، ص:۱۳]...... ''کاش کہ وہ (نوابزادہ نصر اللہ) مروجہ فرنگی جمہوریت کے بجائے براہِ راست اسلام اور خلافتِ راشدہ کی طرف قوم کو دعوت دیتے۔'' [ماہنامہ حق چار یار، دسمبر ۹۱ء، ص:۸]...... ''علماءِ اسلام کی خدمت میں: سنی علماء خواہ کسی جمعیۃ اور جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ مروجہ جمہوریت کے تصور سے بالاتر ہو کر اسلامی نظام حکومت کے لیے جدوجہد کریں۔'' [ماہنامہ حق چار یار، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص:۹]

حضرتؒ نے دوٹوک الفاظ میں یہ حقیقت رقم فرما دی ہے کہ مروجہ جمہوری سیاست سے سب سے زیادہ نقصان اہل سنت کو پہنچ رہا ہے۔ کیا اِس کے بعد بھی خالص مذہبی اجتماعات میں ''سیاسی بیانات'' کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

''آیات واحادیث کی روشنی میں چونکہ نظام حکومت کے معاملہ میں خلفاءِ راشدین کی پیروی لازم ہے، اِس لیے اس جدوجہد میں صرف انہی جماعتوں اور افراد کو شامل کرنا ہوگا جو عظمتِ صحابہ اور خلافتِ راشدہ کا صحیح عقیدہ رکھتے ہوں۔ [۱] شیعہ چونکہ پہلے تین خلفاءِ راشدین... کے بلکہ ان کے ایمان کے ہی منکر ہیں... اِس لیے ان کو نفاذِ شریعت کی جدوجہد میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ [۲] جو لوگ قرآن عظیم کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ کے منکر یا اُن کی خلافت کو مجروح کرنے والے ہیں جیسا کہ کراچی کے محمود احمد عباسی کے پیروکار وغیرہ ہیں، ان کو بھی اسلامی نظام حکومت کی جدوجہد میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ [۳] اور جو لوگ بظاہر چاروں خلفاءِ راشدین کو مانتے ہیں، لیکن صحابہ کرام کو معیارِ حق نہیں مانتے اور ان پر تنقید کرنے کو اپنا سیاسی حق سمجھتے ہیں جیسا کہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کی جماعت اسلامی... ان کو بھی اس جدوجہد میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فروعی مسائل نہیں بلکہ بنیادی اصول وعقائد ہیں، جن سے انحراف کر کے سیاست کا بازار گرم کیا جائے تو نتیجہ وہی ہوگا جو قیام پاکستان سے لے کر آج تک ۴۴ رسال میں دیکھا جا رہا ہے۔'' [ماہنامہ حق چار یار، دسمبر ۱۹۹۱ء، ص:۱۰]

حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی سوچی سمجھی واضح رائے کے مطابق روافض، خوارج، نواصب

اور مودودیوں کو اسلامی حکومت کی جدوجہد میں شریک نہیں کیا جاسکتا۔ اور جن دینی سیاسی جماعتوں کی گاڑی ہی ''سب کے اتحاد'' سے چلتی ہو اور اُن کی اپنی جماعت کے ہی بعض مرکزی لوگ ناصبیت یا مودودیت زدہ ہوں، تو اُن سے صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کی عظمت کے مطابق کسی نظام کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ اور اُن کے بیانات سے سامعین کے دلوں میں نظام خلافتِ راشدہ کی درست تصویر کیسے آئے گی؟

''سیاسی لیڈر ہوں یا دانشورانِ قوم، حزبِ اقتدار ہوں یا حزبِ اختلاف، علماء ہوں یا مشائخ، اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں کہ آیا وہ صرف اپنی ذات اور پارٹی کا تحفظ کر رہے ہیں یا جنتی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی قرآنی عظمتوں کا تحفظ بھی ان کی زندگی کے پروگرام میں شامل ہے؟'' [ماہنامہ حق چار یار، جون ۱۹۹۲ء، ص:۱۲] ''کوئی غیرت مند سنی مسلمان تو ان شیعہ علماء اور ان کے ہم مذہب شیعوں سے اتحاد کا تصور ہی نہیں کرسکتا۔'' [ایضاً:۹]

ذرا نگاہ دوڑایئے! قومی اسمبلی کی سیٹ سے ناحق محرومی اور جمہوری حق نہ ملنے پر بے حد برہم اور آپے سے باہر ہو جانے والے راہ نما کبھی صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی عظمت کی خاطر بھی ایسے میدان میں نکلے ہیں؟ ایسے سرتاپا سیاسی راہ نماؤں کے بیانات سے عظمتِ صحابہ کے کون سے نشانات دلوں پر ثبت ہوں گے؟

''ہمیں مولانا فضل الرحمٰن کی پالیسی سے بھی اختلاف ہے۔ ان کی جمعیۃ کے پارلیمانی پارٹی کے قائد مولوی محمد خان شیرانی نے تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ کے صدر ساجد نقوی کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے۔ یہ اِس فرنگی جمہوری سیاست کی آخری حد ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہر حال ایسے علماء کو جمعیۃ علماءِ اسلام میں شامل رکھنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' [ایضاً: ۷/ستمبر ۱۹۹۱ء]

مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے مولوی محمد خان شیرانی صاحب کو جمعیۃ سے کیا نکالنا تھا، انہیں اسلامی نظریات کونسل کا چیئرمین تک بنوا دیا۔ اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کے دِل میں صحابہ کی عظمت اور دفاعِ ناموسِ صحابہ کی اہمیت کس قدر باقی رہ گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اِس حوالے سے مزید تفصیلات ہم اِن شاء اللہ اپنے مستقل مضمون میں عرض کریں گے جس کا عنوان ہے: ''مولانا فضل الرحمٰن اور اُن کی پالیسیاں، حضرت قائد اہل سنت کی نظر میں۔''

۴)......مولانا ڈاکٹر عادل خان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی المناک شہادت:

تحریک تحفظ ناموس صحابہ واہل بیت کے جری، بہادر اور زیرک سربراہ، استاذ المحدثین مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے باصلاحیت فرزند، جامعہ فاروقیہ کراچی کے مہتمم وشیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ کی مختلف کمیٹیوں کے اہم رکن حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سفاک قاتلوں نے بے دردی سے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زمانہ طالب علمی میں حضرتؒ کے تلامذہ سے اُن کی قابلیت، طلبہ سے ہمدردی ومحبت اور دیگر خوبیوں کا تذکرہ سننے کو ملتا رہا، لیکن حضرتؒ اُس وقت غالباً ملائیشیا میں مقیم تھے۔ اپنے جلیل القدر والد کی رحلت کے بعد پاکستان تشریف لائے اور جامعہ فاروقیہ [حب چوکی، کراچی] کا انتظام سنبھال لیا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی سرعام گستاخی کا علم ہوا تو تڑپ اٹھے اور اہل اسلام کو متحد کر کے اِس خباثت کے آگے سد سکندری قائم کرنے کی ٹھانی، لیکن دشمن چونکہ فسادات برپا کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے، اور مولانا عادل شہیدؒ اِن فسادات کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھے، اور کسی لالچ یا دباؤ کے ذریعہ انھیں اپنے مشن سے ہٹانا دشمن کے بس میں نہیں تھا، لہٰذا اُنہیں رستے سے ہٹانا ضروری خیال کیا گیا۔ اللہ پاک اُن کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں، آخرت کی تمام منازل میں انہیں دولہا بنائے رکھیں۔ اُن کے مشن کی تکمیل کے لیے غیب سے انتظام فرمادیں۔ جامعہ فاروقیہ اور اُن کے تمام منصوبوں کو اپنے فضل وکرم سے اُن کی توقعات سے بڑھ کر کامیابی سے ہمکنار فرمائیں۔ تمام پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں۔ آمین

۵)...... محقق وقت مولانا عبدالحلیم چشتی نوراللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید، محقق العصر استاذِ مکرم مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ صغیر، محقق، محدث، مصنف اور سادگی و عاجزی کے بے مثال پیکر حضرت مولانا عبدالحلیم نعمانی چشتی رحمۃ اللہ علیہ دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہوگئے۔

استاذِ مکرم مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہم کی خدمت میں بندہ کے جو دو سال گزرے، اُس دوران تقریباً روزانہ حضرت چشتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ ایک سبق پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، حضرت نے تحریری طور پر اجازت حدیث سے بھی نوازا۔ ہمارے ایک ہم جماعت ساتھی مولانا حیدر زمان ڈیروی حضرت چشتی صاحب کی خدمت میں بکثرت جایا کرتے تھے، ایک روز بندہ کو بھی اُن کے ہمراہ حضرت کے گھر حاضری کا موقع ملا، سادگی، عاجزی اور کتابوں سے وابستگی ہی ہر طرف دکھائی دی، گھر میں بالکل اکیلے تھے، ہمارے جانے پر بھی بیرونی دروازہ خود ہی کھولا، ہماری موجودگی میں گھنٹی بجی تو بھی ہمیں نہیں جانے دیا، مولانا حیدر اُن کی سنی اَن سنی کرتے ہوئے دروازے کی طرف چل پڑے تو حضرت نے بہت لجاجت سے فرمایا: ارے بھائی جان! ٹھہریئے! میں خود جاتا ہوں۔ اور پھر خود جا کر دروازہ کھولا۔

حضرت کی کتاب ''فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ'' کئی حوالوں سے زیر مطالعہ رہی۔ حضرت کے تلامذہ سے بھی استفادے کا موقع ملا۔ ایک طویل عرصہ حضرتؒ نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں علمی خدمات سرانجام دیں۔ گزشتہ چند سال سے جامعۃ الرشید میں بھی استاذ الحدیث تھے۔ رہائش بھی وہیں تھی۔

اللہ پاک اُن کی مغفرت فرما کر اُنھیں جنت الفردوس کے بلند و بالا مقام عطا فرمائیں اور علم و تحقیق کی جو شمعیں وہ روشن کر گئے ہیں انھیں تا قیام قیامت باقی رکھیں اور اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین

۶)......مجلّہ ''صفدر'' کے دس سال:

ستمبر ۲۰۱۰ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ میں مجلّہ ''صفدر'' کا پہلا شمارہ ''شیخ المشائخ نمبر'' کی صورت میں منصۂ شہود پر آیا تھا، اس کے ۸/ ماہ بعد جون ۲۰۱۱ء سے ''صفدر'' کی باقاعدہ اشاعت کا آغاز ہوا، جو بحمد اللہ تا حال جاری و ساری ہے۔ اِن دس سالوں کے شمارے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''صفدر'' روزِ اول سے اپنے اُس عہد و پیمان پر پوری طرح قائم چلا آ رہا ہے کہ: اِس مجلّہ میں اکابر اہل سنت دیوبند کے مسلک کے خلاف ذہن سازی نہیں کی جائے گی۔ ''صفدر'' کے اجراء کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی اشاعت وحفاظت اور فتنوں اور فتنہ بازوں کی نشاندھی اور مدلل تعاقب بھی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ حالات کے اُتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز کے باوجود ''صفدر'' اِس ذمہ داری سے غافل نہیں رہا، اور اِس حوالے سے ''صفدر'' کی انفرادیت آج بھی برقرار ہے۔ دس سال مکمل ہونے پر ادارے کی طرف سے ایک سوال نامہ قارئین صفدر کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے، تمام قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس سوال نامہ کا جواب ضرور عنایت فرمائیں۔ تا کہ قارئین کے مشوروں کی روشنی میں ہم اپنا یہ سفر مزید بہتر انداز میں جاری رکھ سکیں۔

سوال نامہ:

۱۔کیا آپ کو مجلّہ پابندی سے اور بر وقت مل رہا ہے؟ ۲۔کیا آپ مجلّہ کے تمام مضامین پڑھتے ہیں؟

۳۔مجلّہ کے مضامین اور قلم کاروں میں آپ کے پسندیدہ مضامین اور قلم کار کون سے ہیں؟

۴۔جن اَغراض و مقاصد کے تحت مجلّہ کا اِجرا ہوا تھا، اُن سے مجلّہ منحرف تو نہیں ہوا؟

۵۔کیا مجلّہ اکابر اہل سنت دیوبند کے مسلک و مشرب کا بلا تاویل ترجمان ہے؟ اِس میں شائع ہونے والی کوئی بات اکابر کے مسلک کے خلاف تو نہیں؟

۶۔مجلّہ میں محض بھرتی کی تحریرات تو نہیں ہوتیں؟

۷۔مجلّہ کے دائرہ کار کے لحاظ سے آپ کو مجلّہ میں کس چیز کی کمی محسوس ہوئی؟

۸۔مجلّہ کے مشمولات، ترتیب، پالیسی یا کسی بھی حوالے سے کوئی تجویز و مشورہ جو آپ دینا چاہیں؟

۹۔مجلّہ سے متعلق کوئی سوال جو آپ کے ذہن میں ہو؟

۱۰۔مجلّہ کے متعلق مجموعی حیثیت سے آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

☆☆☆☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی، بہاول پور

فاروق رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر

وہ ایک حیرت انگیز منظر تھا، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم شکوہ سن رہے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بعض احباب کے رویہ کی شکایت کر رہے تھے۔ ہوا یہ کہ جب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ نکاح کر لینے کی پیشکش کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ٹال گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کی اِس بے رُخی پر افسوس ہوا اور آنحضرت ﷺ تک یہ معاملہ پہنچایا۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے وہ اَلفاظ اِرشاد فرمائے جو صبحِ محشر تک کے لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت وشرف پر اَمر ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: يتزوج حفصة من هو خير من عثمان و يتزوج عثمان من هي خير من حفصة. ''گھبراؤ نہیں، عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی مل جائے گی اور حفصہ کو عثمان سے بہتر خاوند مل جائے گا۔'' اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی چوکھٹ کو دُخترِ پیمبر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قدم بوسی کا شرف ملا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ''ام المومنین'' ہونے کا اعزاز پا گئیں۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، گلشنِ نبوی کے وہ پھول ہیں جن کی مہکار میں حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے نشو ونما پائی۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہونے کا فخر حاصل ہے، حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بھتیجی ہونے کا شرف ملا ہے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بھانجی ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بہن ہونے کا نصیبہ ملا ہے۔ اور پھر اولاً حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے عقد میں آنے کی سعادت سے بہرہ وَر ہوئیں اور اُن کی وفات کے بعد سید الانبیاء ﷺ کی زوجہ طیبہ ہونے کی فضیلت حاصل کی۔ قربان میں تیرے امی! ایسی قابلِ فخر نسبتیں ہر ایک کو کہاں نصیب؟ ایسے لائقِ رشک اعزاز ہر ایک کی قسمت میں کہاں؟

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے: لو كان بعدي نبي لكان عمر (اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا)۔ حضرت حفصہ کے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے ابتدائی رفقاء میں سے تھے، غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، مہاجرین میں سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں

وفات پائی اور پہلے شخص ہیں جنہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا، ان کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی میت کو بوسہ دیا اور ان کی رحلت پر آنحضرت ﷺ کی آنکھیں اشکبار تھیں، تدفین کے بعد آپ ﷺ نے ان کی قبر پر بطور نشان کے پتھر رکھوایا اور مرقد پر آپ ﷺ تشریف لے جاتے رہے۔

حضرت حفصہ کے چچا حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، جو بدر واُحد اور دیگر معرکوں میں آنحضرت ﷺ کے شانہ بشانہ جوانمردی کے جوہر دکھاتے رہے، جنگ یمامہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی شہادت کے بعد فرمایا کرتے تھے: ''جب بادِ صبا چلتی ہے مجھے زید کی خوشبو آتی ہے۔'' نیز حضرت عمر نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ زید پر رحم کریں، وہ دو نیکیوں میں مجھ پر سبقت کر گئے یعنی اسلام میں اور شہادت میں۔'' عرب کے نامور مرثیہ گو متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کی بابت جو مرثیہ کہا تھا وہ حضرت عمر کو بھی سنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر میں شاعری کرتا ہوتا تو اپنے بھائی (زید) کی بابت ویسا ہی مرثیہ کہتا جیسا تو نے اپنے بھائی پر کہا'' متمم نے کہا ''اگر میرا بھائی بھی آپ کے بھائی کی راہ میں مارا جاتا تو میں کبھی غمزدہ نہ ہوتا۔'' حضرت عمر نے رضی اللہ عنہ فرمایا: ''اِس سے بہتر کسی نے میری تعزیت نہیں کی۔''

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ جو جلیل القدر صحابی، مایۂ ناز فقیہ، مثالی متبع سنت، شب بیدار، دنیا سے بیزار اور ہمہ وقت فکرِ آخرت اور خوفِ خدا سے سرشار تھے، قابلِ فخر محدث اور لائق افتخار مجاہد تھے، اقتدار ان کے قدموں میں پڑتا رہا مگر وہ اسے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑاتے رہے، خود نبی کریم ﷺ نے ان کے صالح ہونے کی شہادت دی ہے۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند حضرت خنیس بن حذافہ سہی رضی اللہ عنہ ہیں، جنہیں غزوہ بدر میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع بھی ملا اور حبشہ و مدینہ کی طرف ہجرت کر کے ذوہجرتین کا تمغہ بھی پایا، غزوہ بدر میں ہی زخمی ہوئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر کچھ عرصہ بعد شہادت کا تاج سجا کر بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو گئے۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے دیور یعنی حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا ایک ایمان افروز تذکرہ ہم گذشتہ سطور میں لکھ آئے ہیں۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب: والد گرامی کی طرف سے حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔ اور والدہ محترمہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ حفصہ بنت زینب بنت مظعون بن وہب بن حذافہ۔

حضرت سیدہ حفصہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حقیقی بہن بھائی ہیں یعنی دونوں کی والدہ

حضرت زینب بنت مظعون ہیں۔ حضرت سیدہ حفصہ کی ولادت بعثت نبوی (یعنی آنحضرت کو نبوت ملنے) سے پانچ سال پہلے اُس وقت ہوئی جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر جدید میں مصروف تھے۔ جب حضرت سیدہ نے ہوش سنبھالا تو اس وقت تک آپ کا گھرانہ نورِ اسلام سے جگمگا رہا تھا اور علوم ومعرفت کی کرنیں مچل رہی تھیں، عزتِ اسلام حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دامنِ نبوت سے وابستہ ہو چکے تھے۔ اِن حالات میں حضرت سیدہؓ نے تربیت پانا شروع کی اور بہت جلد ہی قریش کی فصیح خواتین میں آپ کا شمار ہونے لگا، آپ کا نکاح اولاً حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ سے ہوا، حضرت خنیس آنحضرت ﷺ کے ابتدائی رفقاء میں سے تھے اور غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے اور اسی اولیں معرکہ میں زخمی ہوئے اور کچھ عرصہ بعد جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے اولاً حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی پھر مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور پھر دوبارہ حضرت حفصہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا اِعزاز پایا اور شہادت کے بعد حضرت خنیس کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عین جوانی میں بیوہ ہو گئیں، انہیں اپنے شوہر کی فرقت کا بے حد قلق تھا، مگر آپؓ نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اِس دُکھ کو استقلال اور پامردی سے برداشت کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلسل اپنی صاحبزادی کے پاس تشریف لاتے رہے۔ اُن کا غم ہلکا کرتے اور دلجوئی کرتے رہے، اور ساتھ ساتھ حضرت سیدہؓ کے مقام کے مناسب کسی رشتہ کی تلاش بھی مسلسل جاری رکھی، بالآخر آپ کی نظرِ انتخاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمی، آپؓ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی صاحبزادی کی نسبت کی پیشکش کی مگر آپؓ نے حضرت عمر کو کوئی جواب نہ دیا اور بالکل خاموش رہے۔ اس کے بعد آپ کی نظر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص حضرت سیدہؓ کے رشتہ کے لیے موزوں نہ تھا۔ چنانچہ آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ کی رحلت پر تعزیت بھی کی اور اپنی بیٹی کی نسبت کی پیشکش بھی کی، حضرت عثمانؓ نے غور کرنے کا کہا، کچھ مدت بعد حضرت عمرؓ نے پھر ان سے بات کی تو وہ ٹال گئے، حضرت عمر کو حضرت عثمان کے اِس رویہ کا بے حد افسوس ہوا اور انہوں نے اس کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: يتزوج حفصة من هو خير من عثمان و يتزوج عثمان من هي خير من حفصة، عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی مل جائے گی اور حفصہ کو عثمان سے بہتر خاوند مل جائے گا۔"

(اسی سے حضرت امام بخاریؒ نے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ انسان اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ صالح اور اہل خیر پر پیش کر سکتا ہے)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیوں خاموش ہو گئے تھے؟ اس کی وضاحت خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُس وقت فرما دی تھی جب آنحضرت ﷺ نے حضرت سیدہ حفصہؓ سے نکاح فرما لیا تھا، چنانچہ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ سے فرمایا: "چند دن قبل آپ

نے مجھے حفصہ کے نکاح کی پیشکش کی تھی اور میں تمہاری بات سن کر خاموش رہا تھا، میری خاموشی یقیناً آپ پر ناگوار گزری ہو گی مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے سامنے خود سرکار دو عالم ﷺ حفصہ کا ذکر فرما چکے تھے (یعنی حضور ﷺ خود حفصہ سے نکاح فرمانے کا ارادہ ظاہر فرما چکے تھے) اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کر سکتا تھا، اس لیے خاموش رہا، اگر آپ ﷺ نکاح نہ فرماتے تو میں آمادہ تھا''......آنحضرت ﷺ نے ۳ھ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، آنحضرت ﷺ نے چار سو درہم حق مہر مقرر فرمایا۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ازواج مطہرات میں نمایاں حیثیت حاصل تھی، حضرت سیدہؓ حضور ﷺ کی اُن پانچ بیویوں میں سے تھیں جنہیں قریشی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔[۱] حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔[۲] حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا۔[۳] حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔[۴] حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔[۵] حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ''یہی (حفصہ) وہ خاتون ہیں جو ازواج مطہرات میں میری برابری کرتی تھیں۔'' عبادت و ریاضت میں بھی حضرت سیدہؓ ایک بلند مقام پر فائز تھیں، صوم و صلوٰۃ کی کثرت نے آپ کو نمایاں نام عطاء فرمایا تھا، خود زبانِ نبوت سے آپ کے لیے: انها صوامة قوامة (کہ آپ دن کو روزہ رکھنے والی اور رات کو عبادت کرنے والی خاتون ہیں) جیسے وقیع الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: مامامت حفصة حتى ماتفطر جن دنوں حضرت سیدہ کا انتقال ہوا ان ایام میں وہ مسلسل روزے رکھ رہی تھیں۔ حضرت سیدہ کو علومِ نبوت سے بھی وافر حصہ ملا، قریباً ساٹھ روایاتِ حدیث کا آپ سے مروی ہونا آپ کے ذوق علم و فقاہت کی غمازی کرتا ہے۔ آپ کی فقاہت کا اندازہ ذیل کے اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ جو مسند احمد میں منقول ہے کہ: حضرت ام مبشرہ انصاری بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''اِن شاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے مجھ سے بیعت کی''۔

یہ سن کر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت پڑھ کر سوال کیا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وان منكم الا واردها (تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس (جہنم) پر سے گزر نہ ہو) حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں: ثم ننجي الذين اتقوا و نذر الظالمين فيها جثيا (پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس حال میں پڑا رہنے دیں گے کہ غم کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔) موطا کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہؓ لکھنے پڑھنے کا اعلیٰ ذوق رکھتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ کسی بشری تقاضے کی وجہ سے حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو

طلاق دیدی، اس وقت حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بے حد دکھ ہوا کہ وہ ایک قابلِ فخر اعزاز سے محروم ہوگئے، پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ: مجھے جبرئیل امین نے کہا ہے کہ: راجع حفصة فانها قوامة صوامة وانهازو جتك فی الجنة. حفصہ کی طلاق سے رجوع فرمالیجئے! کیونکہ وہ بہت روزے رکھنے والی، عبادت گزار اور پرہیزگار خاتون ہیں اور جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔

آنحضرت ﷺ کی خوشنودی اور رضامندی کے حصول کے لیے بھی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا بے حد کوشاں رہتی تھیں اور خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں، اسی طرح اپنے والدِ گرامی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت کا بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتی تھیں اور انہیں بھی آرام پہنچانے اور ان کی راحت رسانی کا بھرپور خیال کرتی تھیں۔

حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کی تجویز پر جب حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے قرآن مجید جمع کرنے کی خدمت سرانجام دینی شروع فرمائی تو ازواج مطہرات میں سے حفاظتِ قرآن کے لیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا، حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے جمعِ قرآن کی ذمہ داری حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادی، حضرت زیدؓ نے بڑی عرق ریزی سے یہ خدمت سرانجام دی اور صحیفہ تیار کرکے حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے حوالے کردیا۔ ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس یہ امانت رہی۔ پھر سیدنا فاروق اعظمؓ نے اس عظیم امانت کی حفاظت کے لیے حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا اور یہ نسخہ انہی کے پاس محفوظ رہا، یہاں تک کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کی نقول کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عثمانؓ نے حضرت سیدہؓ سے وہ قرآن طلب فرمایا، اس سے دوسرے نسخے تیار کروانے کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ان کا نسخہ واپس کردیا، حضرت حفصہؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد یہ قرآن مجید میرے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حفاظت میں دے دیا جائے۔

سانحہ ارتحال: حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات کی بابت اختلاف ہے، ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی رحلت اُس زمانہ میں ہوئی جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی تھی اور یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کا ہے، ایک روایت ۴۵ھ کی ہے اور ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال ۴۷ھ میں ہوا۔

آپ کی نماز جنازہ اُس وقت کے مدینہ کے گورنر مروان نے پڑھائی، حضرت سیدنا ابوہرہ رضی اللہ عنہ کندھا دے کر قبر مبارک تک تشریف لے گئے، جنت البقیع میں تدفین ہوئی، لحد میں سیدہؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدہؓ کے بھتیجوں میں سے حضرت عاصم، حضرت سالم، حضرت حمزہ اور حضرت عبداللہ نے اتارا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

☆......☆......☆......☆

انجم نیازی

اُم المومنین سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا

زمیں پر آسماں سے اُس کی خدمت میں سلام آتے
اُسے خوش خبریاں دینے فرشتوں کے امام آتے

گزر جاتی تھیں بن کھائے پیئے افطاریاں اُس کی
کئی ایسے کٹھن لمحے کئی ایسے مقام آتے

وہ اتنی پاک دامن تھی کہ اُس کے پاک حجرے میں
اُسے تعظیم کرنے کو فرشتے صبح و شام آتے

سمٹ آتا نگاہوں میں تقدس اُس کے باطن کا
محبت بانٹنے باہر سے جب خیرالانام آتے

بہت ہی متقیہ زاہدہ ہے آپؐ کی حفصہؓ
رسولؐ ہاشمی کو آسمانوں سے پیام آتے

کبھی ہاری نہ تھی باطل سے اُم المومنین انجم
عمرؓ کے سارے جذبے اُس کی ہر مشکل میں کام آتے

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

نظروں کی حفاظت:

پھر فرمایا: برطانیہ میں ایک صاحب کو دیکھا وہ راستے میں عینک اتار کر چل رہے ہیں حالانکہ نظر جھکانے کا حکم ہے عینک اتارنے کا نہیں۔ کہنے لگے: یہاں کا ماحول بے پردگی کا ہے جتنا راستہ دیکھنے کی مجھے ضرورت ہے وہ عینک کے بغیر بھی نظر آ جاتا ہے۔ عینک اس لیے اتار رکھی ہے کہ اگر اچانک بھی نظر پڑ جائے تو مجھے کوئی شکل وصورت صاف نظر نہ آئے کیونکہ بیٹی چاہے کافر کی ہی کیوں نہ ہو ہے تو آخر بیٹی!

پھر فرمایا: یہ ہے حیا والا جذبہ جو مسلمان کو عرش تک پہنچاتا ہے۔ مسلمان باتوں کی وجہ سے نہیں اپنے اس نیک کردار کی وجہ سے چمکا ہے، مسلمان کی زندگی تو روشنی کا مینار ہے۔ سندھ کے ایک ہمارے عزیز ہیں مولانا یاسین صاحب دامت برکاتہم ان کے ماموں فرمانے لگے: مولوی صاحب! اللہ نے مسلمانی جیسی چیز تو پیدا ہی نہیں کی لیکن کیا کریں مسلمان ٹھگو بن گیا ہے۔

لوگ آپ کی درویشی کے طالب ہیں:

پھر روئے سخن طلبہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: مدرسہ ومسجد کا ماحول تو جنت کا ماحول ہے، آپ کے لیے جنت میں رہتے ہوئے جنت میں پہنچنا کیا مشکل ہے، بس تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔

لوگ آپ کے بالوں کو نہیں دیکھتے، وہ تو آپ کی درویشی کو دیکھتے ہیں۔ لوگ آپ کے جوتوں اور کپڑوں کو نہیں دیکھتے وہ تو سنت کے نور کے پیاسے ہیں۔ میرے عزیز! ماحول سے متاثر نہیں ہونا۔ صحابہ کی شان یہ تھی کہ وہ ماحول سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ کسی جگہ کافروں کے پاس تھے لقمہ گر گیا تو اٹھا کر کھا لیا اور فرمایا: ”کیا میں ان پاگلوں کے لیے اپنے نبی کی سنت کو ترک کردوں؟“

پھر فرمایا: ”دین پر استقامت اور پختگی اپنے بزرگوں کے قدموں میں نصیب ہوتی ہے۔“

پھر فرمایا: یہ زیادہ تکلفات اور بال وغیرہ بنانے اور شیشہ دیکھنے کا اہتمام نہ کیا کریں۔ ایک بھائی کہنے لگے: تمہیں شیشہ دیکھنے کی کیا ضرورت ہے تم تو خود شیشہ ہو۔ میرے حضرت فرمانے لگے: ”حسن دنیا گذارے کی جگہ ہے، دال روٹی سے گذارہ چل جائے تو گذارہ کر لینا۔ آخرت میں اللہ سب ارمان پورے

فرمائیں گے۔‘‘

گناہ کی نحوست:

گناہ کی نحوست پر بات کرتے ہوئے فرمایا: حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے ایک مرید تھے۔ فرماتے تھے جب میں ذکر کرتا تھا تو دل میں انوار کی برسات محسوس ہوتی تھی۔ ایک دفعہ بازار میں جاتے ہوئے غلط نظر پڑ گئی۔ ایک دفعہ تو غلطی سے پڑی دوسری دفعہ قصداً ڈال لی، اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ نور ختم ہو گیا۔‘‘

فرمایا: علم دین سے مقصود معلومات میں اضافہ نہیں یہ تو زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے والا علم ہے۔ ہمارے استاذ ہیں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم مدینہ منورہ والے وہ بزرگ فرماتے تھے کہ: ہمارے حضرات تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیا کرتے تھے۔

پھر فرمایا: ایک حدیث میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں علم بڑھ جائے گا اور دوسری میں آتا ہے کہ علم گھٹ جائے گا۔ اس میں تطبیق اس طرح دی گئی کہ معلومات تو زیادہ ہو جائیں گی لیکن عمل کم ہو جائے گا۔

مدرسے کا سایہ بھی خیر ہی خیر ہے:

پھر مدارس کی اہمیت اور برکات پر بات کرتے ہوئے فرمایا: میں عرض کرتا رہتا ہوں جتنا ثواب پڑھنے والے طلبہ کو مل رہا ہے پڑھانے والے اساتذہ کو مل رہا ہے اتنا ہی ثواب ان کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھنے والے، اور ان کے لیے ایک لقمہ کی خدمت کرنے والوں کو مل رہا ہے۔ سب ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

پھر فرمایا: ’’مدرسے کے سائے سے گذر جائیں تو بھی فائدے سے خالی نہیں۔‘‘ ہمارے حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب [رحمہ اللہ] فرمانے لگے: ایک مجلس میں میں نے جنرل پرویز مشرف سے پوچھا آپ کو نماز روزے اور دین کا جو تھوڑا بہت علم ہے وہ کہاں سے حاصل ہوا ہے تو اس نے کہا میں یونٹ میں تھا، یونٹ کے امام صاحب سے سیکھا تھا، تو میں نے کہا یہ بھی تو مدرسے کا فیض ہے۔‘‘

پھر فرمایا: مدرسے کے فیض سے کوئی بھی محروم نہیں۔ سب مدرسے کے طالب علم ہیں کوئی بسم اللہ، اعوذ باللہ کا طالب علم ہے، کوئی نورانی قاعدے کا، سب طالب علم ہیں۔ جس مسلمان کے سینے میں ایک حرف بھی قرآن پاک کا موجود ہے اس کے سینے میں اصحاب صفہ کے چبوترے کا فیض موجود ہے۔

عورتوں کی جنت:

پھر فرمایا: ہماری عزیز بچیاں جو گھروں میں ہیں ان سے عرض کروں: آپ کی جنت اللہ نے گھر کی چاردیواری میں چھپا رکھی ہے۔ بس گھر میں رہ کر اللہ کو راضی کریں اور خوش کریں۔ حضرت حکیم الامت مولانا

اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (مستورات کی نسبت) فرمانے لگے کہ مقصود تو اللہ تعالیٰ کی رضا (کو حاصل کرنا) ہے وہ گھر میں جھاڑو دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، روٹی پکانے اور بچوں کی نیک تربیت کرنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

زیور پر زکوٰۃ: پھر فرمایا: گھروں میں عام طور سے عورتوں کے پاس زیور ہوتا ہے لیکن زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کر جاتی ہیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ فرمایا: حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے خاندان میں کچھ بچیوں کی شادی ہوئی، حضرت نے ان کو ترغیب دی اور زیور لے کر صدقہ کروا دیا۔ اور پھر فرمایا: یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کل تم اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرو۔

کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھیں:

کسی مسلمان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، اس پر فرمایا: ہم ایک جگہ تھے وہاں بھائی ذوالقرنین (کرکٹر) کا بیان ہوا، پھر اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خان آئے تو کہنے لگے میں بھی اندر سے مولوی ہوں، پانچ وقت کی نماز اور تہجد پابندی سے پڑھتا ہوں، قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہوں۔

☆......☆......☆......☆

وفیات: شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ، دارالعلوم معین الاسلام بنگلہ دیش کے مہتمم مولانا شاہ احمد شفیع رحمہ اللہ...... شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ مولانا عبدالحلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ...... استاذ المحدثین مولانا سلیم اللہ خانؒ کے فرزند مولانا ڈاکٹر عادل خان رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا ڈرائیورؒ...... مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء کی ہمشیرہ محترمہ رحمہا اللہ...... حکیم محمد عبداللہ صاحب [خان پور کٹورہ] کے فرزند نسبتی مولانا محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دو سالہ بیٹیؒ...... محترم جناب شریف صاحب [لاہور] کے بڑے بھائی رحمہ اللہ...... نامور شامی محدث، محقق، مفسر اور حنفی فقیہ شیخ نورالدین عتر رحمۃ اللہ علیہ...... مداح صحابہ، استاذ الشعراء مہر محمد ریاض سیال رحمۃ اللہ علیہ [جھنگ]...... مولانا حکیم شریف الدین کرنالویؒ کے بیٹے محمد اکمل چوہدری رحمہ اللہ [سلانوالی، سرگودہا] ...... مولانا جمیل الرحمٰن عباسی کے ماموں قاری محمد ایوب عباسی رحمۃ اللہ علیہ...... دارالعلوم کبیر والا کے استاذ مولانا یاسین رحمہ اللہ...... مولانا عتیق الرحمٰن حیات پوری [بہاول پور] کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ...... مولانا یاسین حنفی کے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ...... مولانا محمد اسلم زاہد رحمہ اللہ...... جامعہ خیر المدارس ملتان کے استاذ الحدیث مولانا شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ...... جمعیۃ علماء ہند کی عاملہ کے رکن مولانا معزالدین احمد قاسمی رحمہ اللہ...... چوہدری اعظم صاحبؒ [گجرات]...... جامعہ مظہریہ حسینیہ: محافظ ہارون صاحب کا بھانجاؒ...... مدرس مولانا محمد سومرو کی بیٹیؒ...... باورچی عبدالعزیز سومرو کے سسرؒ...... مدرسہ عربیہ رائیونڈ کے استاذ مولانا عبدالرحمٰنؒ...... مولانا صہیب ظفر کی دادی محترمہؒ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

مولانا عرباض خان سواتی

شیخین کریمین......مختصر تعارف وخدمات

امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

مفسر قرآن محدث کبیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ

امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

آپ کی پیدائش ۱۹۱۴ء ''چیڑاں ڈھکی'' المعروف کڑمنگ بالا نامی گاؤں ضلع مانسہرہ ہزارہ (پاکستان) میں ہوئی، آپ یوسف زئی سواتی پٹھان قوم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

۱۹۲۷ء تک ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں ہی حاصل کی اور پھر ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۸ء پاکستان کے مختلف علاقوں میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۹۴۰ء میں آپ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) میں دورۂ حدیث (فاضل علوم اسلامیہ) کے لیے داخلہ لیا اور ۱۹۴۱ء میں دونوں نے ایک ساتھ سند فراغت حاصل کی۔

آپ کے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے آپ کی علمی صلاحیتوں پر اعتماد فرماتے ہوئے اپنی ذاتی خصوصی سند اور لقب ''صفدر'' کے اعزاز سے نوازا۔

۱۹۴۳ء میں آپ کا جامع مسجد ''اہل السنۃ والجماعۃ'' (بوہڑوالی) گکھڑ ضلع گوجرانوالہ پاکستان کے لیے انتخاب ہوا اور ساٹھ سال آپ نے امامت وخطابت، درس قرآن وحدیث اور دینی فرائض سرانجام دیئے اور اس کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ ٹیچرز کالج گکھڑ میں ۴۰ رسال تک اساتذہ (ٹیچرز) کو درس قرآن بھی دیا۔

۱۹۵۵ء تا دم آخر آپ نے جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں مدرس، صدر مدرس، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات، صدر مفتی، مصنف اور سرپرست وغیرہ عہدوں پر شاندار و بے مثال خدمات انجام دیں۔

شعبان ورمضان میں مدارس عربیہ کی سالانہ تعطیلات کے دوران تقریباً ۵۰ ر روزہ دورۂ تفسیر بھی آپ نے کئی سال پڑھایا، جس میں پاکستان، ہندوستان، افغانستان، ایران اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک کے ہزاروں علماء وطلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے کئی تلامذہ مختلف مقامات پر دورۂ تفسیر پڑھا رہے ہیں۔

روحانی سلسلہ نقشبندیہ میں آپ نے اپنے استاذ حضرت مولانا حسین علیؒ (واں بچھراں والے) کے دست حق پر بیعت کی، آپکے شیخ نے آپ کی علمی وروحانی ترقی کو دیکھتے ہوئے آپ کو اپنی خلافت سے نوازا۔

آپ نے پچاس سے زائد علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں، (جن میں راہِ سنت، تسکین الصدور، سماع موتی، الکلام المفید، ارشاد الشیعہ، عیسائیت کا پس منظر، مودودی صاحب کا غلط فتویٰ، انکارِ حدیث کے نتائج، ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں، **ازالۃ الریب** (مسئلہ علم غیب)، بانی دارالعلوم دیوبند، شوق جہاد وغیرہ شامل ہیں۔) تمام باطل فرقوں کے خلاف آپ کے قلم نے خدائی تلوار کا کام کیا، آپ کی تصانیف پر عالم اسلام کے جید اکابرین نے اعتماد فرمایا۔ آپ کے عوامی دروس قرآن ''ذخیرۃ الجنان'' کے نام سے ۲۰/جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں۔ اور بخاری وترمذی کی کچھ تقاریر بھی مطبوعہ ہیں۔

۱۹۹۲ء کراچی میں منعقدہ علماء کرام اور عوام الناس کے ایک فقید المثال اجتماع نے آپ کی ہمہ جہت دینی خدمات وتحقیقات اور اکابرین علماء دیوبند کے دامن سے وابستہ رہنے اور مسلک اہل سنت دیوبند کی علمی ترجمانی کی بناء پر متفقہ طور پر ''امام اہل سنت'' کے لقب کا حق دار قرار دیا۔

عرب وعجم علماء دیوبند کی تمام دینی جماعتوں کے آپ سرپرست اعلیٰ رہے، برصغیر سمیت عرب، یورپ، افریقی ممالک کے متعدد دینی اسفار فرمائے، بیسیوں ادارے آپ کے نام سے موسوم ہیں، آپ کے شاگردوں اور پیروکاروں کی تعداد لاکھوں میں ہے، علمی دنیا میں آپ کا پورا خاندان مقبول ہے۔

۵/مئی ۲۰۰۹ء بروز منگل آپ اس عالم فانی سے عالم بقاء کی طرف رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، لاکھوں افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔

مفسر قرآن محدث کبیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ:

آپ کی پیدائش ۱۹۱۷ء ''چیڑاں ڈھکی'' المعروف کڑمنگ بالا نامی گاؤں ضلع مانسہرہ ہزارہ (پاکستان) میں ہوئی، آپ یوسف زئی سواتی پٹھان قوم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم ۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۷ء اپنے علاقہ میں ہی حاصل کی اور پھر ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۹ء پاکستان کے مختلف علاقوں میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۹۴۰ء میں آپ نے اپنے بڑے بھائی امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) میں دورۂ حدیث (فاضل علوم اسلامیہ) کے لیے داخلہ لیا اور ۱۹۴۱ء میں دونوں نے ایک ساتھ سند فراغت حاصل کی۔

آپ کی علمی صلاحیتوں پر اعتماد فرماتے ہوئے آپ کے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے آپ کو تمام کتب اور فنون متداولہ کی اپنی ذاتی خصوصی سند عطا فرمائی اور اس کے بعد روحانی سلسلے میں بھی تمام تر اجازتیں فرمائیں۔

۱۹۴۴ء میں آپ نے **دار المبلغین** لکھنؤ (ہندوستان) میں داخلہ لیا اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ سے قرآن کریم کی تفسیر، تقابل ادیان، فن مناظرہ اور افتاء میں سند فراغت حاصل کی۔

۱۹۴۷ء میں آپ نے نظامیہ طبیہ کالج، حیدر آباد دکن (ہندوستان) میں داخلہ اور ۱۹۵۱ء میں گریجویشن مکمل کی، آپ نے چار سال مسلسل اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی، آپ کو حاضر باشی کا خصوصی سرٹیفکیٹ بھی ملا۔

۱۹۵۲ء میں آپ نے جامعہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور گوجرانوالہ کی بنیاد رکھی اور تادم آخر امام، خطیب، مہتمم، مدرس، شیخ التفسیر والحدیث، مفتی، مصنف، سرپرست اعلیٰ وغیرہ عہدوں پر شاندار و بے مثال خدمات انجام دیں، مدارس دینیہ کی دنیا میں آپ ایک کامیاب و بے داغ مہتمم کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے، اداروں کے سربراہان خصوصی مشاورت کرنے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

آپ نے پچاس سے زائد علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں، (جن میں مقدمہ مسلم، شرح ابن ماجہ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم و افکار، نمازِ مسنون، عون الخبیر شرح الفوز الکبیر، الاکابر، تشریحات سواتی علی ایساغوجی، مقالات سواتی، شرح شمائل ترمذی وغیرہ شامل ہیں۔) آپ کی مایہ ناز و مقبول عام ''تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن'' جو کہ بیس جلدوں پر مشتمل ہے، اس کو اردو زبان میں دنیا کی بڑی تفسیر کا اعزاز حاصل ہے، آپ کے دروس حدیث بھی کئی جلدوں میں مطبوعہ ہیں۔ آپ کی تصانیف پر عالم اسلام کے کبار علماء و مشائخ نے اعتماد فرمایا ہے، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتب پر جس قدر آپ نے کام کیا، عالم اسلام کے جید اکابرین بھی اس سلسلہ میں آپ ہی سے رجوع فرماتے تھے۔

علماء دیوبند کے ہزاروں مدارس، مساجد، تنظیموں، جماعتوں اور رسالوں کی آپ نے سرپرستی فرمائی، بیسیوں ادارے آپ کے نام سے موسوم ہیں، آپ کے شاگردوں اور پیروکاروں کی تعداد لاکھوں میں ہے، علمی دنیا میں آپ کا پورا خاندان بھی مقبول ہے۔

۶/اپریل ۲۰۰۸ء بروز اتوار بوقت صبح پونے دس آپ اس عالم فانی سے عالم بقاء کی طرف رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نماز جنازہ میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی، تین دن تک آپ کی قبر کی مٹی سے خوشبو مہکتی رہی۔

☆☆☆☆

مولانا مفتی سید عبد القدوس ترمذی مدظلہم

ملک میں فرقہ واریت کی لہر اور عظمت صحابہ کرامؓ ریلیاں

وطن عزیز کئی ماہ سے مختلف حالات سے دوچار اور گوناگوں عوارض کا شکار ہے، پانچ ماہ سے کرونا وائرس کی عالمی وبا کی وجہ سے ملک کا اقتصادی اور معاشی نظام بالکل تباہی کے کنارے پہ ہے، ملک میں غربت کا راج ہے، عوام کو مفلوک الحالی کی وجہ سے ایک ایک لمحہ گذارنا مشکل ہو رہا ہے، ہر شعبہ ترقی کی بجائے دن بہ دن رو بہ زوال ہے، عصری اور دینی تعلیمی ادارے کئی ماہ تک مسلسل بند رہنے کی وجہ سے طلبہ وطالبات کا تعلیمی نقصان ناقابل بیان ہے، جس کی تلافی آسان نہیں ہے۔ ارباب وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو حق تعالیٰ بہت جزائے خیر دے کہ انہوں نے ان ناگفتہ بہ حالات کے باوجود بھی درس نظامی کے طلبہ وطالبات کا تعلیمی سال ضائع ہونے سے بچالیا اور نہایت کامیاب طریقہ سے نہ صرف ان کے سالانہ امتحان منعقد کرائے بلکہ موجودہ تعلیمی سال ۱۴۴۲ھ کی تعلیم کا آغاز بھی کرادیا، اس شاندار کارنامہ پر قائدین کرام وفاق المدارس بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ وطن عزیز جہاں ان مختلف قسم کے بحرانوں کا شکار ہے وہیں سیاسی اعتبار سے بھی ملک کے حالات کچھ بہتر نہیں ہیں، موجودہ حکومت کی نااہلی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس پر مزید تائیدی مہر عدلیہ نے ثبت کردی ہے، ملک میں امن جان ومال عزت کی حفاظت کا یہ حال ہے کہ موٹروے تک محفوظ نہیں ہے۔ عدالتی نظام اس قدر پیچیدہ ہے کہ ماورائے عدالت قتل پر لوگ مجبور ہو رہے ہیں ، دینی حالات اور مذہبی معاملات کے ساتھ حکومتی رویہ سب کے سامنے ہے جو ملک اسلام کے نام پر بنا تھا اس ملک کے دارالحکومت میں مندر کی تعمیر پر اصرار کیا جا رہا ہے اور حکومت اپنے اخراجات پر مندر بنا کر دینا چاہتی ہے، مندر کے حوالہ سے حکومت کے رویہ کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ع ''چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی'' دینی مدارس اور جامعات پر قدغن کی ہر حکومت نے کوشش کی ہے موجودہ حکومت کے عزائم بھی اس بارہ میں واضح ہیں غرضیکہ ع ''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم'' والی صورت حال ہے، اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائیں آمین۔

یہ تمام حالات اور مسائل اہالیان ملک کے لیے کچھ کم پریشانی کا باعث نہ تھے کہ اب انہیں مزید فرقہ واریت کی آگ میں جھونکا جا رہا ہے اور ملک میں شیعہ سنی فسادات ایک مرتبہ پھر کرانے کی سازش ہو رہی ہے جو کسی طرح وطن عزیز کے لیے قابل قبول نہیں ہے، اس طرح کے فسادات کے قبیح نتائج ملک وقوم کے

لیے کبھی بھی مفید نہیں ہوسکتے۔ مذہبی اختلاف اپنی جگہ ایک حقیقت ہے، لیکن فرقہ واریت اور دہشت گردی کسی عذاب اور فتنہ سے کم نہیں ہے: کماقال تعالیٰ: والفتنة أشد من القتل.

ہر ملک میں مختلف طبقات اور مذہب کے لوگ بستے ہیں، اسلام بھی ہر مذہبی طبقہ کو اپنی اپنی تعلیمات پر عمل کی اجازت دیتا ہے، ہر ایک مسلک والا اپنے مسلک پر آزادی سے عمل کرسکتا ہے، دلائل کی روشنی میں اہل حق کو احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دینا اس کے منافی نہیں ہے، اسے چھیڑ چھاڑ اور فرقہ واریت نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس سے کسی قسم کا نزاع پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے حدود وقیود اور آداب کے ساتھ ہو، تفرقہ بازی دہشت گردی اور ملک میں جھگڑا نزاع اور فتنہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان حدود سے تجاوز کرتا ہے اور دوسرے مسلک کے مقدسات کو برا بھلا کہنے یا سب وشتم پر اتر آتا ہے۔

کچھ عرصہ سے اہل تشیع کی طرف سے تبرا اور سب وشتم کی روایت کو ایک بار پھر دہرایا جانے لگا ہے اور جب سے صوبائی اسمبلی پنجاب میں ''تحفظ بنیاد اسلام'' بل کو اسمبلی کے ارکان نے متفقہ طور پر منظور کیا ہے، اس وقت سے اہل تشیع نے اہل سنت کے مقدسات کو برملا برا بھلا اور ان سے براءت کا اظہار شارع عام شروع کردیا ہے، تحفظ بنیاد اسلام بل کے اسمبلی سے پاس ہونے کے بعد شیعہ راہنما نے جن رکیک اور قبیح خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

''اہل سنت صحابی کی جو تعریف کرتے ہیں، ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ معاویہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' نہیں لکھیں گے۔ ہم ابوبکر، عمر فاروق اور عثمان غنی کو خلیفہ راشد نہیں مانتے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں (سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا) نہیں مانتے بلکہ صرف ایک سیدہ فاطمۃ الزہرا مانتے ہیں۔ معاویہ اور عائشہ کو غلط مانتے ہیں اور اپنی کتب اور مجالس میں انہیں غلط ہی کہیں گے۔ ائمہ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' اس لیے لگاتے ہیں کہ ہم انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم مانتے ہیں''۔

اپنی پریس کانفرنس کے آخر میں شیعہ ذاکرین نے پنجاب اسمبلی سے منظور ہونے والے ''تحفظ بنیاد اسلام بل'' کا تذکرہ کرتے ہوئے حکومت وقت کو علی الاعلان دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ:

''گورنر تو کیا گورنر کا باپ بھی یہ بل پاس نہیں کرسکتا، ہم انہیں ایک ایک ادارہ بند کرکے دکھائیں گے''۔

اس بیان سے ان کے مکروہ عزائم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت واضح ہے کسی نے صحیح کہا: کل اناء یترشح بمافیها۔ وقال تعالیٰ قدبدت البغضاء من افواههم وماتخفی صدورهم اکبر۔ کس قدر افسوس کی بات ہے وطن عزیز میں اہل سنت کی اکثریت کے باوجود ''تحفظ بنیاد اسلام'' بل گورنر صاحب کے دستخط نہ ہونے کی وجہ سے اب تک نافذ نہ ہوسکا، گویا عملاً ملک کی اقلیت

اکثریت اور حکومتی اداروں پر حاوی ہے، انا للہ، والی اللہ المشتکی محرم الحرام میں تمام تر نامساعد حالات کے باوجود حکومت کی سرپرستی میں جلوس نکالے گئے اور عاشورہ دسویں محرم کو کراچی جلوس میں سیدنا ابوسفیان اور سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر نام لے کر لعنت کی گئی (اعاذنا اللہ منہا)۔ادھر دارالحکومت اسلام آباد میں امام الخلفا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (جن کی صحابیت قرآن کریم سے ثابت ہے) کی تکفیر کی گئی اور ظلم یہ کہ حکومتی سرپرستی میں اس بدبخت کو فوراً بحفاظت دوسرے ملک پہنچا دیا گیا، یہ سیاہ کارنامہ اس حکومت میں ہوا جو ریاست مدینہ کا راگ الاپتے نہیں تھکتی اور عدل وانصاف کی بھی دعویٰ دار ہے۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ بلا سوچے سمجھے اچانک ہی ہو گیا ہرگز نہیں کوئی بھی عقل مند اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، ملک میں شیعہ سنی فساد کی یہ سوچی سمجھی سازش اور منصوبہ بندی ہے، پھر اگر حکومت اس میں ملوث نہیں تو اب تک ان مجرموں کو قرار واقعی سزا دے کر کیفر کردار تک کیوں نہیں پہنچایا گیا۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت اہل السنۃ والجماعۃ جن کے دل ودماغ ان حرکتوں پر سخت زخمی ہیں اور سینے غم سے شق ہیں، اگر صبر وتحمل کا مظاہرہ نہ کرتے تو اس وقت پورا ملک فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا ہوتا اور حالات حکومت کے کنٹرول سے یقیناً باہر ہو جاتے، حق تعالیٰ جملہ مکاتب اور ان کے قائدین کو جزائے خیر دے جنھوں نے قانون کا احترام اور پاس کیا اور اپنے اپنے احباب اور متعلقین کو ملک میں بدامنی انتشار کی راہ کو اپنانے سے بچنے کی تلقین کی۔

اہل تشیع کے اس جارحانہ اور گستاخانہ رویہ پر احتجاج مسلمانوں کا حق تھا، چنانچہ تمام مکاتب فکر دیوبندی بریلوی اہل حدیث نے اس گستاخی اور سب وشتم کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور لاکھوں افراد پر مشتمل پرامن اور کامیاب موثر اور پرعظمت وپروقار ریلیاں نکالیں جس نے اہل ایمان کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت وعظمت کی ایک نئی روح پھونک دی اور مخالفین کے دل کانپنے لگے۔

کراچی، ملتان، اسلام آباد میں لاکھوں فرزندانِ توحید اور شمع نبوت کے پروانے صحابہ کرام، اہل بیت عظام کے جانثاروں کی باوقار احتجاجی ریلیوں نے ایک مرتبہ پھر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت عظام کی حرمت کے لیے ہر طرح کی قربانی دے سکتے ہیں لیکن ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ گستاخی اور توہین کو برداشت نہیں کر سکتے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی نبوت کے گواہ اور اسلام کی بنیاد ہیں ان کا ایمان امت کے ایمان کے لیے نمونہ اور ان کی ذوات قدسیہ حق کا معیار ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت دراصل حضرت سرور انبیاء کرام علیہم السلام کی محبت سے مسبب ہے جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا: فمن احبہم فبحبی احبہم اور یہی معاملہ ان سے بغض رکھنے کا بھی ہے۔

اس لئے آپ ﷺ سے محبت کا دعویٰ حضرات صحابہ کرام کی محبت کے بغیر ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ اہل اسلام وایمان اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ان کے ایمان کا تقاضہ اور اہل سنت کے شعار میں سے ہے۔ اہل سنت کے ہاں جیسے حضرات صحابہ کرام کی محبت ضروری ہے ایسے ہی اہل بیت کرام کی عظمت ومحبت بھی لازمی چیز ہے، اس لئے ان کے ہاں کسی کی بھی گستاخی اور توہین جائز نہیں ۔اہل السنۃ والجماعۃ کا حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے متعلق واضح موقف ہے:

أن تفضل الشيخين وأن تحب الختانين وأن ترى المسح على الخفين.

شیخین کو فضیلت دینا، دونوں دامادوں سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا۔

مشاجرات صحابہ کرام سے متعلق بھی کتب عقائد میں تصریح ہے:

ونكف عن ذكر الصحابة الا بخير لما ورد في الاحاديث الصحيحة في مناقبهم وماوقع من المخالفات والمحاربات فله محامل، اقل تلك المحامل وقوع الخطأ في الاجتهاد اوتاويلات فسبهم والطعن فيهم ان كان ممايخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة رضى الله عنها والافبدعة وفسق۔[شرح العقائد]

ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا صرف ذکر خیر ہی کریں گے، کیونکہ ان کے مناقب اور فضائل میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں، اور جو ان کے مابین مشاجرات واختلافات پیش آئے ان کے مختلف محمل اور تاویلیں ہیں، پس ان کو برا کہنا اور طعن کرنا اگر دلائل قطعیہ کے متصادم اور مخالف ہو تو کفر ہے، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا، اور اگر دلائل قطعیہ کے مخالف نہ ہو تو بدعت اور فسق ہے۔

اس لیے کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ برائی سے نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں ہونے والے محاربات میں اگرچہ اہل سنت کے ہاں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد مخطی قرار دیا گیا ہے، لیکن ان کی تنقیص اور ان پر تنقید کی اجازت نہیں ہے، بلکہ کف لسان کا حکم ہے، کسی بھی صحابی پر تنقید یا ان کی تنقیص یقیناً دنیا وآخرت میں خسارہ کا موجب ہے، اس لیے اس سے اپنی زبان کو پاک رکھنا ضروری ہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے کتنی اہم بات فرمائی ہے کہ:

”اہل بیت رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ہمارے حق میں تو مثل چشم وگوش قابل اتباع ہیں، ان کی محبت ان کا اعتقاد ایمان کے لیے ایسے ہیں جیسے (اڑنے والے) جانور کے دو پر، اڑے تو دونوں سے اڑے، اور ایک بھی نہ ہو تو گر پڑے۔ صاحبو! حضرات شیعہ اور اہل سنت کا مقابلہ ایسا ہے جیسے نصاریٰ اور اہل اسلام کا مقابلہ، ہم تو جیسے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے معتقد ایسے ہی حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے معتقد، اِنہیں برا کہہ سکیں نہ اُن کو، پھر نصاریٰ حضرت خیر البشر ﷺ کی

نسبت سے گستاخیاں کر کے اپنے اعمال ناموں کی درستی کر لیتے ہیں (یعنی اپنے اعمال نامے سیاہ کر دیتے ہیں) ایسے ہی اہل سنت کو تو ایک سے ایک زیادہ، سبھی کے غلام، سبھی کے ثناخواں۔ پس شیعہ حضرات صحابہ کرام کی نسبت وہی عمل کرتے ہیں جو یہود و نصاریٰ بہ نسبت حضرت خیر البشر ﷺ کے کرتے ہیں۔"

[مقالات حجۃ الاسلام: ۶/۷۷]

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین گستاخی کرنا ان پر سب وشتم اہل اسلام اہل سنت کے ہاں نا قابل برداشت اور قابل سزا و تعزیر جرم ہے۔ حضرات علماء کرام وفقہاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر مستقل رسائل و مضامین تحریر فرمائے ہیں۔ **خاتم المحققین، راس الفقہاو المفتین** علامہ محمد بن عابدین شامی رحمہم اللہ کا رسالہ "تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام او احدمن اصحابہ الکرام" اہل علم کے لیے خاصہ کی چیز ہے۔

پاکستان میں اگرچہ توہین صحابہ واہل بیت کی سزا کا قانون پہلے سے موجود ہے لیکن اسے بہتر سے بہتر بنانے اور نافذ کرنے کی ضرورت ہے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ترجیحی بنیاد پر فوری طور پر اس مسئلہ کی طرف توجہ دے، اس کی ادنیٰ غفلت سے ملک کسی بھی مسلکی مذہبی انتشار کا شکار ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک مجرموں کو سزا دے کر کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جائے گا ملک میں فرقہ واریت کا خاتمہ نہیں ہو سکے گا۔

اس نازک موقع پر تمام مکاتب فکر کا باہمی اتفاق واتحاد یقیناً صحابہ کرام اہل بیت عظام سے سچی اور دلی محبت کی واضح شہادت کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے لیے نیک فال اور گستاخان صحابہ واہل بیت کی موت کا موجب ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ کا یہ باہمی اتحاد ہمیشہ قائم رہے اور کوچہ کوچہ شہر شہر مدح صحابہ واہل بیت کے موثر مگر پرامن پروگرام اہل اسلام کے دلوں کو جلا بخشتے رہیں۔ صحابہ کرام واہل بیت کی عقیدت ومحبت اور ان کا دفاع یہ کسی ایک جماعت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ تمام اہل اسلام کا اجماعی واتفاقی مسئلہ ہے اس لئے اس کے لیے اتحاد واتفاق ہم سب کی ضرورت ہے۔ شیعہ جارحیت اور مذہبی دہشت گردی یا فرقہ واریت کے سدباب کے لیے جیسے قانون کو موثر بنانے اور اس کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے ایسے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ بدامنی اور انتشار کے اسباب کا سدباب بھی کیا جائے اس کے لیے ہم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی اس تجویز سے مکمل اتفاق کرتے ہیں جو آپ نے کراچی میں عظیم الشان احتجاجی ریلی کے لیے تحریر فرمائی تھی۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"حضور سرور کونین رحمۃ للعالمین ﷺ کے صحابہ کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام خلائق میں افضل ترین جماعت ہے، جس کی نظیر انبیاء کرام کے بعد آسمان وزمین نے نہیں دیکھی۔ اگر کوئی شخص اس مقدس جماعت پر زبان طعن دراز کرتا ہے تو درحقیقت بالواسطہ وہ خود حضور سرور کونین ﷺ کی ذات اقدس

پر طعن کے مرادف ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول کریم ﷺ معاذ اللہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ناکام رہے اور آپ ﷺ کی تبلیغ و رسالت سے آپ کی مدت حیات میں سوائے چند گنے چنے حضرات کے، کوئی سچا مسلمان نہ بن سکا۔ لہٰذا عظمتِ صحابہ کے ذکرِ معطر کے لیے کوئی بھی سنجیدہ اجتماع خیر و برکت کا باعث ہے۔ افسوس ہے کہ قریبی زمانے میں بعض دریدہ دہن افراد کو یہ جرأت ہوئی ہے کہ وہ کھلم کھلا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین اور گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس گستاخی پر احتجاج ہر مسلمان کا حق ہے اور ایسے افراد کو عبرتناک سزا ملنی چاہیے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض رکھنا کسی کے دین و ایمان کا جزء ہے تو اپنے گھر میں اپنی عاقبت خراب کرے، لیکن اسے یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ سڑکوں پر اور جلوسوں میں صحابہ کرام کی گستاخی کرے۔

فرقہ واریت کی بنیاد پر بدامنی پھیلانا ملک و ملت سے بے وفائی اور اس قسم کی اشتعال انگیزیاں بقاء باہمی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر صحابہ کرام کی گستاخی پر سخت ایکشن لے، اور اس قسم کی اشتعال انگیزیوں کا راستہ بند کرے جو پر امن بقاء باہمی کے خلاف گھناؤنی سازش ہے۔

لہٰذا اس اجتماع کی طرف سے حکومت سے تین مطالبات اس سازش کو کچلنے کے لیے ضروری ہیں:

(۱) جن لوگوں نے سرعام صحابہ کرام کی گستاخی کی ہے، انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۲) موجود قوانین میں مناسب ترمیم کر کے ایسے قوانین بنائے جائیں جن کے نتیجے میں اس قسم کی اشتعال انگیزیوں کا مؤثر خاتمہ ہو سکے۔

(۳) بہت سے شیعہ علماء نے مجھ سے بذات خود یہ بیان کیا کہ محرم کے جلوس نکالنا ان کے عقائد کے مطابق فرض یا واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ایک ایسے کام کے لیے جو نہ فرض ہے نہ واجب، زندگی کا پورا کاروبار معطل رکھنے اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کرنے کا حقیقت میں کوئی جواز نہیں ہے، اس لیے اس قسم کے جلوسوں پر پابندی عائد کی جائے، اور اگر کسی وجہ سے مکمل پابندی عائد نہ کی جاسکتی ہو، تو کم از کم ان کے دورانیے اور جگہوں کو محدود کر کے صرف ایک دن ایسی جگہ اس کی اجازت دی جائے جس سے زندگی کا کاروبار معطل نہ ہو۔

یہ میری دیانت دارانہ رائے ہے جو فرقہ واریت پر نہیں، بلکہ ملک و ملت کی سلامتی کی فکر پر مبنی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ مطالبات ہر معقول شخص کو ضرور منظور ہوں گے۔ وماعلینا الا البلاغ''۔

حضرت دامت برکاتہم کا یہ سہ نکاتی بیان اور فارمولا ملک میں مستقل امن و امان کے قیام کے لیے نہایت ہی بہترین اور واجب العمل ہے، حکومت کو فوری طور پر اس کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ...... ۷ر صفر المظفر ۱۴۴۲ھ ۲۵ر ستمبر ۲۰۲۰ء

مولانا قاضی محمد فضیل حسن، چیچہ وطنی

قرآن کی جمع وتدوین اور صحابہ کرامؓ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے، جس میں قیامت تک آنے والے لوگوں اور قوموں کے لیے ہدایت اور دنیا وآخرت کی ترقی اور راحت ہے۔ قرآن کریم افضل الانبیاء خاتم الانبیاء محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی معجزہ ہے، جس کے سامنے عرب کے بڑے بڑے فصاحت وبلاغت کے شہسوار بھی عاجز آ گئے اور وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ رب کائنات نے ارشاد فرمایا: "**ولو اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا.**"۔ (ترجمہ) اور اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل کوئی دوسرا قرآن لے آئیں تو وہ اس قرآن کی مثل نہیں لاسکتے، اگرچہ وہ بعض کے لیے مددگار بھی ہوں۔

پورا قرآن تو کیا اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ سورۂ کوثر کے مقابلے سے پورا عرب بلکہ پوری دنیا عاجز رہی۔ چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین والمرسلین ﷺ بنا کر بھیجا گیا جس طرح آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، ایسے ہی آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کے بعد اور کوئی آسمانی کتاب یا وحی نہیں آسکتی۔ قرآن مجید قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس نے اسی حالت پر باقی رہنا ہے جیسے لوح محفوظ سے آسمان دنیا اور پھر آسمان دنیا سے سرور کائنات افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد باری ہے: "**انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون.**" ۔ ترجمہ: بے شک ہم نے ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسے اس کی حفاظت فرمائی دوسری آیت میں اس کا ذکر فرمادیا: "**بل ھو آیٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم.**" ۔ کہ ہم اس قرآن مجید کو اہل علم کے سینوں میں محفوظ کریں گے۔ قرآن کریم کی جمع وتدوین کا کام تین مرتبہ ہوا۔

(۱)......عہد نبوت میں قرآن کریم کا جمع ہونا:

ا۔ عہدِ نبوت میں جمع قرآن کا پہلا طریقہ حفظ فی الصدور تھا۔ قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورے کا پورا نازل نہیں ہوا، اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اسے کتابی شکل دے کر محفوظ کیا جائے، چنانچہ ابتداء

اسلام میں زیادہ تر زور قرآن کی حفاظت کے لیے حافظہ پر دیا گیا۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپؐ اس کے حفظ کے لیے انتہائی محنت ومشقت برداشت فرماتے تھے، اسی لحاظ آپ ﷺ سید الحفاظ ہیں اور اس چشمہ صافی سے سیراب ہوکر رب تعالیٰ سے رضا پانے والی جماعت جس کا عمل بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے معیار ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جنہوں نے قرآن کریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اطہر سے سنا، دن رات اس کی تلاوت اور اس کی مشق میں سبقت کرتے تھے، حتی کہ جو شخص رات کے اندھیرے میں صحابہ کرامؓ کے گھروں کے پاس سے گزرتا تو وہ ان میں شہد کی مکھیوں کی گونج کی طرح قرآن کی گونج سنتا۔رسول رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود انصار کے بعض گھروں کے پاس سے گزرتے اور بعض کے پاس کھڑے ہوکر رات کی تاریکی میں قرآن سنتے، جیسا کہ مسلم شریف میں روایت ہے: **"عن ابی موسیٰ الاشعریؓ قال، قال رسول اللہ ﷺ لأبی موسیٰ: لو رأیتنی البارحة وأنا استمع لقراء تک، لقد اعطیتَ مزماراً من مزامیر آل داؤد."** ۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کاش کل شام آپ مجھے دیکھتے میں آپ کی قرات سن رہا تھا، آپ کو داوٗدؑ کے راگوں [لہجوں] میں سے ایک راگ [لہجہ] عطا کیا گیا ہے۔

دیگر بہت سے صحابہ کرامؓ بھی حفظ قرآن میں مشہور تھے جنھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف شہروں اور بستیوں کی طرف قرآن مجید پڑھانے اور سکھانے کے لیے بھیجتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **خذوا القرآن میں اربعة: من عبداللہ بن مسعود و سالم و معاذ و اُبی بن کعب** . [بخاری: ۲/۷۴۸] قرآن مجید کو چار اصحاب سے حاصل کرو، عبداللہ بن مسعودؓ، سالم، معاذ، اُبی بن کعبؓ سے۔

۲۔عہد نبوت میں جمع قرآن اور حفاظتِ قرآن کا دوسرا طریقہ کتابت تھا۔کیونکہ محض حفظ کی صورت میں نسیان کا امکان رہتا ہے، اس لئے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کا بھی اہتمام کیا گیا، جب قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاتبین وحی کو اس کی کتابت کا حکم دیتے، اس طرح وحی الٰہی کی کتابت کا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں مکمل ہوا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازبؓ سے روایت نقل کی ہے **"لما نزلت "لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل اللہ." قال النبی ﷺ: ادع لی زیداً ولیجیء باللوح والدواة والکتف أو الکتف والدواة، ثم قال: اکتب "لایستوی القاعدون الخ."** ۔حضرت براء بن عازبؓ نے بیان کیا کہ جب آیت **"لا یستوی القاعدون "** نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ زید کو میرے پاس بلاؤ اور ان سے کہو کہ تختی اور دوات اور مونڈھے کی ہڈی لے کر آئیں۔ (پھر جب زید آ گئے تو) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ لکھو! لایستوی القاعدون الخ۔ [بخاری: ۲/۷۴۶]

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتبین وحی:

قال قتادة سألت انس بن مالکؓ مَن جمع القرآن علی عهدالنبی صلی الله علیه وآلہ وسلم؟ قال: اربعة، کلهم من الانصار، اُبی بن کعب و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابوزید. [بخاری: ۲/۷۴۸] قتادہؓ نے بیان کیا کہ میں نے انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید کو کن حضرات نے جمع کیا (لکھا) تھا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ چار اصحاب نے اور چاروں قبیلہ انصار سے ہیں: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ حضرت انس بن مالکؓ نے اپنی معلومات کی بنا پر فرمایا ہے، ورنہ ان کے علاوہ بھی حضرات صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن مجید جمع کیا تھا۔ جن میں حضرات خلفاء راشدینؓ بھی شامل ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے **البدایة والنهایة** میں وحی اور مکاتیب وغیرہ لکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں درج ذیل حضرات کا ذکر کیا ہے، حضرت ابان بن سعید، سید القراء حضرت اُبی بن کعب، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت ثابت بن قیس، حضرت حنظلہ، حضرت خالد بن سعید، حضرت خالد بن ولید، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی سرح، حضرت عامر بن فہیرۃ، حضرت عبداللہ بن ارقم بن ابی ارقم مخزومی، حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ الانصاری خزرجی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

الحاصل حفاظت قرآن کے یہ دونوں طریقے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک مسلسل چلے آ رہے ہیں، ہر زمانہ میں حفاظ قرآن کی ایک بڑی تعداد موجود رہی۔ جنہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور کاتبوں نے کتابت کی شکل میں اس کی حفاظت کی۔

(۲)......عہدِ ابوبکر صدیق میں قرآن کا جمع ہونا:

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں: **وقد کان القرآن مکتوبا فی عهده صلی الله علیه وآلہ وسلم لکن غیر مجموعة فی موضع واحد**: یعنی قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا لیکن یکجا تمام سورتوں کی شیرازہ بندی نہیں تھی۔ اس وقت جو قرآن کریم کو لکھا گیا وہ نرم پتھروں یا چمڑوں یا پتوں کھجور کی شاخوں اور کندھوں کی ہڈیوں پر لکھا گیا تھا۔ اس لئے کہ اس وقت عرب قوم کے ہاں کاغذ پر لکھنے کا دستور عام نہ تھا۔ اور ان کے ہاں جو چیز بھی کتابت کے مناسب ہوتی اس پر وہ لکھ لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس پرزوں سے قرآن کو جمع کرتے تھے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد خلیفہ اول سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جب خلافت سنبھالی تو آپؓ کو جن شدید مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں یمامہ کا معرکہ بھی شامل ہے، جس میں تقریباً سات سو حفاظ اور قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ اتنی بڑی تعداد حفاظ صحابہؓ کی شہادت کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ قرآن کریم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں اس جمع کا واقعہ مفصل بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ یمامہ کی جنگ کے بعد حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا (میں حاضر خدمت ہوا) دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں موجود ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یمامہ کی جنگ میں قرآن مجید کے قاریوں کی بڑی تعداد شہید ہوگئی اور مجھے ڈر ہے کہ کفار کے ساتھ دوسری جنگوں میں قراء قرآن شہید ہو جائیں اور قرآن مجید کا بہت سا حصہ (جو ان شہید ہونے والے قاریوں کے سینوں میں ہے) جاتا رہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ قرآن مجید کو (باقاعدہ صحیفوں میں جمع کرنے کا حکم دیں)۔ میں نے عمرؓ سے کہا کہ آپ ایک ایسا کام کس طرح کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں نہیں کیا۔ عمرؓ نے یہ کہا کہ خدا کی قسم یہ کام (قرآن کو جمع کر کے محفوظ کر دینا) بہتر ہے اور عمرؓ یہ بات مسلسل مجھ سے کہتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے مجھے بھی شرح صدر عطا فرمایا اور میری بھی رائے وہی ہوگئی جو عمرؓ کی تھی۔ زیدؓ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم جوان عقلمند آدمی ہو اور ہم تم کو متہم بھی نہیں کر سکتے اور تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں وحی بھی لکھا کرتے تھے اس لئے تم ہی قرآن مجید کو متفرق مخطوطات سے تلاش کر کے جمع کرو۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں خدا کی قسم اگر یہ لوگ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کے لیے کہتے تو ی میرے لئے اتنا گراں نہیں تھا جتنا قرآن مجید کی ترتیب اور جمع کا حکم تھا۔

میں نے عرض کیا آپ حضرات یعنی ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ایسا کام کرنے پر کس طرح آمادہ ہوگئے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ ایک نیک کام ہے اور حضرت ابوبکرؓ برابر یہ جملہ دہراتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا بھی شرح صدر فرمایا جس طرح حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا شرح صدر فرمایا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن کی تلاش شروع کی اور میں اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخوں سے اور پتھروں سے اور لوگوں کے سینوں (حافظوں) سے یہاں تک کہ میں نے سورۃ توبہ کی آخری آیت صرف ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس لکھی ہوئی پائی۔ ان کے علاوہ اور کسی

کے پاس لکھی ہوئی نہیں نہ تھی (اگر چہ یاد بہت لوگوں کو تھی مگر مکتوب صرف اس کے پاس ملی)۔ وہ آیت یہ تھی: **لقد جاء کم رسول من انفسکم** الخ۔ سورۃ براءت کے خاتمہ تک پھر یہ مصحف (جو زید بن ثابتؓ نے جمع کیا) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہا۔ [بخاری: ۷۴۵/۲]

(۳)......عہدِ عثمانؓ میں قرآن مجید کا جمع ہونا:

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن حکیم کو جمع کرنے کا سبب یہ پیدا ہوا کہ جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوا، مسلمان اطراف عالم میں پھیل گئے اور مختلف شہروں میں ان صحابہؓ کی قرات پھیل گئی جنہوں نے ان کو قرآن کریم کی تعلیم دی تھی۔ اہل شام ابی بن کعبؓ کی قرات پڑھتے تھے اور اہل کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اور دوسرے لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی قراءت پڑھتے تھے۔ ان حضرات کی قراءت کے درمیان فرق تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: انّ ھذا القرآن اُنزِلَ علی سبعة احرف فاقرء و ماتیسرّ منه۔ بیشک یہ قرآن سات طریقوں پر اتارا گیا تم پڑھو اس طریقہ سے جو تم کو آسان لگے ان وجوہ قراءت کے فرق کی وجہ سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ آگے چل کر لوگوں کے درمیان اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ اور بعض ایسے واقعات اس بارے میں رونما ہوئے جن کی خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچی۔ چنانچہ آپؓ نے بڑے بڑے صاحب فہم و بصیرت صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور ان کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ امیر المومنین متعدد مصاحف لکھوائیں اور ان میں سے ہر شہر کی طرف ایک مصحف بھیج دیں (اور ان کے علاوہ جو مصاحف ہیں ان کے جلانے کا لوگوں کو حکم دے دیں) تا کہ ایک قراءت پر تمام لوگ جمع ہو جائیں۔

امام بخاریؒ نے اس جمع کے واقعہ کو حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے پاس آئے اس وقت حضرت عثمانؓ آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتح کے سلسلہ میں شام کے غازیوں کے لیے سامان جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے تا کہ وہ اہل عراق کو ساتھ لے کر جنگ کریں۔ حضرت حذیفہؓ ان لوگوں یعنی اہل شام و عراق کے قرآن مجید کی قراءت کے اختلاف کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت بھی یہود اور نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے آپ ان کی خبر لیجیے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ صحیفے (جنہیں حضرت زیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے جمع کیا تھا اور جن پر مکمل قرآن مجید لکھا ہوا تھا ہمیں دیں تا کہ ہم انہیں مصحفوں

میں نقل کروالیں پھر اصل ہم آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیے۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ، اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا کہ وہ ان صحیفوں کو مصحفوں میں نقل کرلیں اور حضرت عثمانؓ نے اس جماعت کے تین قریش صحابیوں سے فرمایا کہ اگر آپ لوگوں کا قرآن مجید کے کسی لفظ کے سلسلہ میں حضرت زیدؓ سے جو انصاری تھے اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھ لیں کیونکہ قرآن مجید نازل بھی قریش ہی کی زبان میں ہوا ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے ایسا ہی کیا اور جب تمام صحیفے مختلف مصاحف میں نقل کر چکے تو حضرت عثمانؓ نے وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کو واپس لوٹا دیئے اور حضرت عثمانؓ نے ان نقل شدہ مصاحف میں سے ایک ایک نسخہ اپنی سلطنت کے ہر علاقہ میں بھیج دیا، ایک نسخہ مکہ مکرمہ میں ایک کوفہ میں اور ایک بصرہ اور ایک شام میں اور ایک مدینہ منورہ میں رکھا۔ اور حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ اس کے سوا کوئی چیز اگر قرآن کی طرف منسوب (کی جاتی ہے خواہ کسی صحیفہ یا مصحف میں اسے تلف کر دیا جائے)۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمع القرآن تو یعنی اس طریقہ پر ان کی ترتیب جسے آج ہم مصحف میں پاتے ہیں وہ اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق ہے۔ حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ایک آیت یا چند آیات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے کہ اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے فلاں سورۃ کے فلاں مقام پر رکھیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح صحابہؓ سے فرماتے کہ اسے فلاں جگہ پر رکھو۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول کریم رحمۃ للعالمین محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس امانت خداوندی کو پہنچانے کے بعد اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اس آفتاب نبوت ﷺ سے روشن ہونے والے ستارے حضرات صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے اس امانت کو بارگاہِ نبوت سے لیا اس کو سنبھالا اور اس کی کما حقہ حفاظت کی اور اس کو آگے امت تک پہنچایا۔ لہٰذا اصل اسلام کے پاس جو قرآن کریم موجود ہے اس کی جمع وتدوین کا بیڑا حضرات خلفائے راشدین اور دیگر اہل علم صحابہؓ نے اٹھایا۔

ایک حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیدنا علیؓ ان خدمات جلیلہ کے ادا کرنے میں حضرات صحابہؓ کے رفیق کار تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ اور دیگر صحابہ کرام کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ کمال صدق اور استقامت علی الحق کے اعتبار سے وہ ایک مثالی گروہ تھا جس کی نظیر عالم انسانیت میں تلاش نہیں کی جا سکتی۔ وما توفیقی الا باللہ

قاضی محمد فضیل حسن عثمانی، چک نمبر L-8/11 تحصیل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

مولانا ابوسفیر خیر الامین قاسمی، مردان

صفات باری تعالیٰ اور مولانا مکی حجازی صاحب کا تساہل

اہل السنۃ والجماعۃ (علماء دیوبند) صفات باری تعالیٰ میں تقسیم کے درج ذیل طریقے سے قائل ہیں: صفات باری تعالی ابتداءً دو قسم پر ہیں: صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ۔ صفات ذاتیہ وہ صفات ہیں جن سے اللہ جل جلالہ کی ذات موصوف ہے اور ان کے اضداد باری تعالی سے منتفی ہیں۔ جیسے علم، حیات، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور عندالماتریدیہ صفتِ تکوین بھی۔ مثال: صفتِ علم باری تعالی کے لئے ثابت ہے اور اس کی ضد صفتِ جہل باری تعالی سے منتفی ہے۔ اور صفات فعلیہ ان صفات کو کہتے ہیں کہ وہ صفات اور ان کے اضداد دونوں باری تعالی کے لیے ثابت ہوں۔ مثال: ذلت دینا یہ اللہ کے لئے ثابت ہے اور اس کی ضد عزت دینا بھی اللہ کی صفت ہے۔

پھر صفات ذاتیہ کی دو قسمیں ہیں: صفات محکمات اور صفات متشابہات: محکمات ان صفات کو کہتے ہیں۔ جن کا معنی واضح ہو اور اس کی مراد ہر کسی کی سمجھ میں آسکتی ہو۔ اور متشابہات ان صفات کو کہتے ہیں جن کا معنی واضح نہ ہو اور اس کی شرعی مراد عقل میں نہ آسکتی ہو۔ جیسے وجہ، عین، ساق، استوی علی العرش، نزول، ید باری تعالیٰ وغیرہ۔

صفات متشابہات کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ اشاعرہ و ماتریدیہ کی دو آراء ہیں: ایک متقدمین کی اور دوسری متاخرین کی۔ متقدمین تفویض کے قائل ہیں۔ جس کا دوسرا نام تاویل اجمالی ہے۔ اور متاخرین تاویل تفصیلی کے قائل ہیں۔ اس ابتدائی تمہید کے بعد مولانا مکی حجازی صاحب کا مسئلہ استوی علی العرش میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ واضح اختلاف ملاحظہ کریں!

حضرت سے سوال ہوا کہ پاکستان میں ایک جماعت ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پہ ہے۔ حضرت جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تو قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پہ ہے، اے اللہ کے بندو؟ تم کس جنون میں پڑے ہو۔ قرآن میں سترہ آیات ہیں کہ ''الرحمٰن علی العرش استوی۔'' رحمٰن عرش پہ ہے۔ اور یہ تو تمہارے بریلویوں نے بھی مانا ہے کہ اس نبی کا عرش پہ خدا ہوتا۔

لیکن استوی کیسے ہے؟ یہ اللہ کو معلوم ہے۔ جب امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ یہ مسئلہ کہ اللہ عرش پہ ہے، فرمایا ''**الاستوء معلوم والکیف مجھول**'' استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔ اور پھر اللہ

آسمان دنیا پر اترتے بھی ہیں۔ اور جب تم دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہو تو رحمت اوپر سے آئے گی۔ (کلپ کا دورانیہ ایک منٹ اڑتالیس سیکنڈ۔ الرحمٰن یوٹیوب چینل والوں نے شایع کیا ہے۔ تاریخ: ۲۹/جون ۲۰۱۸)

اب مولانا مکی صاحب کا اس مسئلہ میں بعینہ وہی موقف ہے جو غیر مقلدین حضرات کا ہے۔ حالانکہ جو لوگ اکابر اہل سنت دیوبند کا نام لیتے ہیں انھیں وہی رائے اختیار کرنی چاہئے جو ان اکابر کی ہے۔ بعض اوقات بہت سے بزرگ حضرات مصلحت کے نام پر بدعات کے حامی و موید بن جاتے ہیں اور اپنے نظریات اور اسلاف کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

حالانکہ ہمارے اکابر کے سامنے بھی یہ چیزیں موجود تھیں جو آج کل یہ معزز حضرات پیش کرتے ہیں۔ ہمارے صوبہ (خیبر پختونخواہ) میں تو ایک اور مرض ہے۔ بعض حضرات جو اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے ہیں، اور مخالفین بھی انہیں اکابر اہل سنت دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ بھی بدعات کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ مثلاً: ربیع الاول میں مجالس میلاد کا انعقاد اور اُن کی سرپرستی کرتے ہیں۔ اور انتہائی مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اپنی اختیار کردہ بدعات کی نسبت اکابر اہل سنت دیوبند کی طرف بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ مجلس میلاد منعقد کرنا، مروجہ حیلہ اسقاط کرنا، تیجہ، چالیس واں کرنا وغیرہ رضاخانیت کا شعار ہے، اہل سنت (دیوبند) کا نہیں۔

یہی شکوہ امام اہل سنت شیخ صفدرؒ نے بھی کیا ہے، لکھتے ہیں کہ ”بعض علاقوں (صوبہ سرحد) میں سنتوں اور نوافل کے بعد اجتماعی طور پر دعا کا خاصا اور خوب اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور دعا نہ کرنے والے کو بنظر حقارت دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کاروائی نری بدعت ہے۔

(ہمارے علاقہ کے بعض برائے نام دیوبندی اسے مستحب کہتے ہیں بلکہ یہاں پر دعا بعد السنّت کو دیوبندیت کا معیار کہتے ہیں، جو کرتے ہیں وہ پکے دیوبندی، جو نہیں کرتے ان کو مماتی یا وہابی کہتے ہیں۔ راقم) علماء کو اس سے سختی کے ساتھ گریز کرنا چاہئے اور علی الخصوص علماء حق کو جو بعض علاقوں (صوبہ سرحد) میں رسمی اور رواجی طور پر اس بدعت اور مکروہ فعل میں گرفتار اور مبتلا ہیں۔“ [حکم الذکر بالجہر: ۱۰۸]

مسئلہ استوی علی العرش اور علماء اہل سنت دیوبند:

زیر بحث مسئلہ پر پہلے اکابر اہل سنت دیوبند اور غیر مقلدین کا موقف تحریر کیا جاتا ہے، اس کے بعد مولانا محمد مکی حجازی صاحب کے بیان پر کچھ معروضات پیش خدمت کریں گے۔

فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ:

”اس قسم کی آیات کے بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ان پر ایمان تو لاتے ہیں لیکن کیفیت سے

بحث نہیں کرتے۔ ہمارا یقین ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی مخلوق کے اوصاف سے پاک اور نقص وحدوث کی علامات سے منزہ ہے، جیسا کہ ہمارے متقدمین علماء کی رائے ہے اور ہمارے متاخرین ائمہ نے ان آیات میں صحیح اور لغت وشرع کے اعتبار سے جو جائز تاویلات فرمائی ہیں۔ وہ اس لئے کہ کم فہم سمجھ لیں، مثلاً: یہ ممکن ہے کہ ''استواء'' سے'' غلبہ'' اور ید سے مراد قدرت ہو تو ایسی تاویلات بھی ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔ البتہ ہم اللہ تعالی کے لئے جہت ومکان کو ثابت کرنا جائز نہیں سمجھتے، بلکہ ہمارا نظریہ ہے کہ اللہ تعالی جہت ومکان اور تمام علامات حدوث سے پاک ہے۔[المہند: ۶۵]

امام المحدثین علامہ ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ:

''جن آیات اور احادیث میں حق جل شانہ کی ہستی کو آسمان یا عرش کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان اور عرش اللہ کا مکان اور مستقر ہے، بلکہ ان سے اللہ جل شانہ کی شان رفعت اور علو اور عظمت اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے۔''[عقائد اسلام، حصہ دوم: ۳۱۵]

نوٹ: الرحمٰن علی العرش استوی پر تفصیلی کلام کے لئے استاذِ محترم شیخ سجاد الحجابی صاحب کے محاضرات کا مطالعہ فرمائیں اور کتاب ''تفسیر اولی النھی لقولہ تعالی الرحمن علی العرش استوی'' شیخ سلیم علوان کی طرف رجوع کریں۔

استوی علی العرش اور غیر مقلدین:

وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اہل حدیث نے استواء کی بھی معنی لئے ہیں کہ عرش پر بلند ہوا یا بیٹھا یا چڑھ گیا یا جما۔......اس سے ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہے۔[تفسیر وحیدی، الاعراف: ۵۴، ناشر ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ پاکستان] دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ''پھر ان کا انتظام کرنے کو تخت پر جا بیٹھا۔'' (ایضا) ہدیۃ المہدی میں لکھتے ہیں کہ ''مکانہ العرش'' کہ عرش اللہ کا مکان ہے۔[ہدیۃ المہدی: ۹] مشہور غیر مقلد مفسر شیخ عبد الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں کہ ''استواء علی العرش کا مفہوم: قرآن میں جہاں بھی استویٰ علی العرش کا لفظ آیا ہے تو اس کے معنی قرار پکڑنا یا جم کر بیٹھنا ہے۔''[تفسیر تیسیر القرآن، الاعراف: ۵۴]

اب قارئین فیصلہ کریں کہ اکابر اہل السنۃ والجماعۃ علمائے دیوبند صفات متشابہات، خصوصاً استواء علی العرش میں کیا مسلک رکھتے ہیں اور دوسری طرف غیر مقلدین کا کیا موقف ہے۔ اور یہ کہ مولانا مکی حجازی صاحب کن کے ساتھ ہیں؟ مولانا کی منقولہ گفتگو سے واضح ہے کہ مولانا غیر مقلدین کا موقف اپنائے ہوئے ہیں۔ ہماری مولانا مکی صاحب سے دردمندانہ گزارش ہے کہ خدارا! اختلافی مسائل میں اپنے اکابر کی رائے سے آگاہی بھی رکھیں اور اگر اپنی نسبت اُن کی طرف رکھنی ہے تو اُن کی رائے پر اعتماد بھی کریں۔ غیروں کو قریب کرنے یا کسی بھی وجہ سے ایسا کوئی طریقہ ہرگز اختیار نہ فرمائیں جس سے مسلک حق پر حرف آئے اور

اپنوں میں اختلاف کا دروازہ کھلے۔

مولانا مکی حجازی صاحب کی گفتگو کا تجزیہ:

مولانا کا پہلا جملہ ہے: یہ تو قرآن میں ہے کہ اللہ عرش پہ ہے۔ اللہ کے بندو تم کس جنون میں ہو۔''
حالانکہ قرآن پاک میں کسی ایک جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کے ساتھ عرش پر ہونے کی تصریح نہیں ہے۔ بلکہ جہاں عرش کا تذکرہ ہے وہاں صفتِ رحمٰن کا ذکر ہے۔

مولانا کا دوسرا جملہ ہے: ''قرآن میں سترہ آیات ہیں الرحمٰن علی العرش استوی، رحمٰن عرش پہ ہے۔'' یہ مکی حجازی صاحب کا نسیان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جیسی آیات کل سات مقامات پر ہیں: یونس:۳، رعد:۲، سجدہ:۵۵، طہٰ:٦، حدید:۴، فرقان ۵۹، اعراف:۵۴۔ ان آیات پر تحقیقی اور تفصیلی کلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی عبقات جلد دوم میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا کا تیسرا جملہ ہے: ''جب امام مالکؒ سے پوچھا گیا اس مسئلے میں تو فرمایا: **الاستوء معلوم والکیف مجھول**. '' حالانکہ حضرت مکی صاحب جیسے بزرگ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ''والکیف مجھول'' والا قول صحیح سند کے ساتھ امام مالکؒ سے ثابت نہیں۔ یہی بات علامہ کوثریؒ نے اپنی تعلیق میں فرمائی ہے۔ [التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات: ۱۲۵/۲] بلکہ امام مالکؒ سے صحیح سند سے وہ روایت ثابت ہے جس میں کیفیت کی منفی ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہی بات امام بیہقیؒ نے بھی فرمائی کہ اللہ جل جلالہ سے کیفیات منفی ہیں کیونکہ یہ اجسام کی صفت ہے اور اللہ رب العالمین جسم سے پاک ہیں۔ [کتاب الاسماء والصفات: ۱۲۵/۲، فتح الباری: ۴۹۸/۱۳ باب وکان عرشہ علی الماء] لہٰذا امام مالکؒ سے منسوب اِس قول سے استدلال درست نہیں۔

مولانا کا چوتھا جملہ ہے: ''جب تم دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہو۔ یہ کیوں اٹھاتے ہو؟ اس لئے کہ رحمت اوپر سے آتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ کو جہت فوق میں ثابت کرنے کے لیے یہی دلیل غیر مقلدین پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ اُن کی جہالت یا تعصب ہے، کیونکہ جیسے نماز میں رخ کے لیے قبلہ کی جہت ہے، ایسے دعا کے لیے جہت فوق ہے۔ اِس سے باری تعالیٰ کے جہت فوق میں ہونے پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

مولانا مکی صاحب! ہمارے ہاں بہت سے حضرات اپنی نسبت سلاسل تصوف کے اکابر کی طرف کرتے ہوئے اپنے آپ کو چشتی، قادری، نقشبندی وغیرہ کہتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ لوگ ان اکابر کے افکار واعمال سے متضاد چل رہے ہیں۔ اِسی طرح بعض لوگ اپنی نسبت اکابر اہل سنت دیوبند کی طرف کرتے ہیں، لیکن افکار ونظریات میں تصلب اور پختگی تو دُور نظریات میں ہی اُن سے اختلاف رکھتے ہیں۔ جیسے اپنے آپ کو محض چشتی کہلوانے سے کوئی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا سچا پیروکار نہیں بن جاتا، اسی طرح اکابر اہل سنت دیوبند کی طرف محض نسبت کرنے سے کسی کا دیوبندی بن جانا بھی محال ہے۔ ☆☆

جناب نثار معاویہ صاحب (سفرنامہ عمرہ) قسط:۲

معیتِ حبیبِ مظہر، درِ محبوبِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۷/جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ، ۳/جنوری ۲۰۲۰ بروز جمعہ:

تہجد کے وقت حسب سابق احباب کے ساتھ حضرت شیخ کی معیت میں حرم شریف حاضر ہونے کی توفیق ملی، مخصوص جگہ پر حضرت شیخ اور دیگر حضرات اپنے معمولات میں مشغول ہوگئے، ناچیز کو طواف کی سعادت ملی، (نماز فجر میں امامِ حرم نے سورہ الم سجدہ اور سورۂ دھر تلاوت نہیں فرمائی، جس کا راقم کو بصد شوق انتظار رہتا ہے۔لیکن آج اس شوق کی تکمیل سے محروم رہا۔ورنہ کافی عرصہ سے حرم میں نماز فجر میں اِسی مسنون قراءت کا معمول چلا آرہا ہے۔) نماز فجر کے بعد محمود الرحمٰن صاحب، حافظ مٹھا صاحب، عدنان صاحب اور شان صاحب بھی آگئے، حسب معمول حضرت شیخ نے شرکہ مکہ ٹاور کے سامنے صحن میں چائے اور دیگر لوازمات سے تواضع فرمائی پھر رہائش گاہ پر آگئے۔

جمعہ کو حرم شریف میں رش زیادہ ہوتا ہے، اس لیے حرم شریف کے اندر نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے جلدی جانا پڑتا ہے۔تقریباً ۱۰:۳۰ بجے حضرت شیخ کی معیت میں حافظ مٹھا صاحب، اُن کے بیٹے حافظ حسین احمد صاحب، حاجی عبدالغفار صاحب اور ناچیز حرم شریف کے لیے روانہ ہوئے، بابِ فہد کے دائیں طرف نیچے تہہ خانہ میں چلے گئے، سب اپنے معمولات میں مشغول ہوگئے۔ناچیز کو طواف کے لیے جانے کی خواہش تھی، یہیں سے تہہ خانے سے گزرتے ہوئے باب عبدالعزیز کی طرف سے مطاف پہنچ گیا، (بالائی منزل میں حرم شریف اور اُس کے اندر جانے کے بعد مطاف کی طرف جانے والے راستے انتظامیہ نے رش کی وجہ سے بند کردیئے تھے) رش کی وجہ سے مطاف طواف کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا، الحمد للہ اس رش کے باوجود ناچیز کو یکے بعد دیگرے دو طواف کی اللہ کے خصوصی فضل سے توفیق ملی، جمعہ کی پہلی اذان سے قبل ناچیز طواف سے فارغ ہوگیا، لیکن حضرت شیخ کے پاس جانے کی خواہش تمام واپسی کے راستے بھی سختی سے بند ہونے کی وجہ سے پوری نہ ہوسکی، باب عبدالعزیز کی دوسری منزل پر خطبہ جمعہ کی سماعت اور نماز کی ادائیگی کے لیے ٹھہرنا پڑا، پھر تہہ خانے کے ذریعے ہی حضرت شیخ کے پاس پہنچ سکا، تھوڑی دیر بعد رہائش گاہ پر آکر حضرت شیخ، حاجی عبدالغفار صاحب اور ناچیز نے کمرے میں کھانا کھایا اور آرام کیا۔

حضرت شیخ کی مصروفیت کی وجہ سے ناچیز شام پانچ بجے اکیلا ہی حرم شریف آگیا، نماز مغرب کے بعد طواف کی سعادت ملی، عشاء کی نماز بھی مطاف کے نزدیک ادا کر کے رہائش گاہ پر آگیا۔

۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۴/ جنوری ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ:

تہجد کے وقت حسبِ سابق حضرت شیخ دامت برکاتہم کی معیت میں حرم شریف میں حاضری ہوئی، ناچیز نے طواف کیا، نماز فجر کے بعد کے معمولات حسب سابق ہی تھے۔ ۹:۳۰/ بجے صبح ناچیز حرم شریف حاضر ہوا، دس بجے صبح سے ۱۲:۱۰/ بجے تک اللہ کے فضل سے چار طواف ہو گئے، الحمدللہ! ظہر کی نماز صحن حرم میں ادا کی، پھر رہائش گاہ پر آیا، حافظ مٹھا صاحب اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آرام کیا، مغرب سے عشاء تک کے معمولات حسب سابق مخصوص جگہ پر ادا ہوئے۔ کئی احباب حضرت شیخ سے ملاقات وزیارت کے لیے آتے رہے۔

۹/ جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ، ۵/ جنوری ۲۰۲۰ء بروز اتوار:

تہجد کے وقت حسبِ سابق حضرت شیخ کی معیت میں حرم شریف میں حاضری ہوئی، ناچیز نے طواف کیا، نماز فجر کے بعد کے معمولات حسب سابق ہی تھے۔ آج مدینہ منورہ جانے کی ترتیب تھی، روانگی کا وقت ظہر کے بعد کا طے ہوا، اِس لیے ظہر سے قبل تیاری مکمل کی، حضرت شیخ اور حاجی عبدالغفار صاحب کی معیت میں حرم شریف حاضر ہوا، حضرت نے فرمایا: آج حرم شریف کے داخلی صحن میں کعبہ شریف کے سامنے نمازِ ظہر ادا کریں گے۔ طواف کے لیے اب وقت نہیں بچا۔ بالائی منزل کے تمام داخلی راستے بند ہو چکے تھے، لہٰذا چکر کاٹ کر بابِ عبدالعزیز کے تہہ خانے سے ہوتے ہوئے مطاف میں پہنچنے میں کامیابی ہوئی، حطیم اور میزاب رحمت کے مقابل صحن کعبہ میں نمازِ ظہر ادا کی، نماز کے بعد رہائش گاہ پر کھانا کھایا اور گاڑی کی آمد کا انتظار شروع ہو گیا۔ ساتھیوں نے رہائش گاہ کی مختلف منزلوں سے سامان لفٹ کے ذریعے اتار کر نیچے استقبالیہ ہال میں رکھ دیا تھا۔ گاڑی آئی تو سامان اس میں رکھ کر حضرت شیخ کو آگاہ کیا۔ حضرت احباب کے ہمراہ نیچے تشریف لائے، تقریباً ۳:۱۵/ پر گاڑی مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئی۔ دورانِ سفر عصر اور مغرب کی نماز اور کھانے کے لیے گاڑی رکی، رات تقریباً ۹:۳۰ بجے ثقیفہ بنی ساعدہ کے قریب فندق کرم الحجاز پہنچے، دوسری منزل پر رہائش کا انتظام تھا۔ بلڈنگ کا راستہ مسجد نبوی کے بیرونی احاطہ کے دروازہ نمبر ۷/ کی طرف سے تھا، یہاں کمرہ میں حضرت شیخ، حافظ مٹھا صاحب، عزیز اللہ صاحب، عدنان صاحب اور ناچیز کا قیام طے ہوا، باقی احباب کو بھی مختلف کمروں میں ٹھہرایا گیا، تھوڑی دیر آرام کر کے رہائش گاہ پر ہی حضرت شیخ کی امامت میں عشاء کی نماز پڑھ کر آرام کیا۔

۱۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۶/جنوری ۲۰۲۰ء بروز سوموار:

تہجد کی اذان سے قبل حضرت شیخ کی معیت میں مسجد نبوی میں حاضری کے لیے دوسری منزل سے لفٹ کے ذریعے نیچے اُتر آئے تو استقبالیہ ہال میں بنوں کے تینوں ساتھی بھی منتظر تھے، سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنا تھا (لے سانس بھی آہستہ کہ یہ دربار نبی ہے۔) ''باب السلام'' سے حضرت شیخ کی معیت میں داخل ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام اور حضرات شیخین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، انتظامیہ اب اس مخصوص حصہ میں کسی زائر کو کھڑا نہیں ہونے دیتی، بس سلام پیش کرو اور آگے روانہ ہو جاؤ! اِس لیے صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ عرض کرنے کے بعد مسجد نبوی کے اندرونی پہلے صحن (چھتریوں والے حصہ) میں (جہاں سے گنبدِ خضریٰ کا دلکش نظارہ نمایاں نظر آتا ہے) آگئے اور نماز فجر تک وہیں حاضر رہنے کی سعادت ملی ؎

ماہ و خورشید سے روشن ہے نگینہ تیرا
تا قیامت رہے آباد مدینہ تیرا

نماز کے بعد حاجی عبدالغفار اور گل حسن صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، واپسی میں حضرت شیخ نے چائے اور بسکٹوں سے مدینہ شریف کی گلی میں بیٹھ کر ناشتہ کرایا جس کا عجیب ہی مزہ تھا۔ پھر رہائش گاہ پر آگئے، دن گیارہ بجے کے بعد حضرت شیخ کی معیت میں مسجد نبوی میں دوسری چھتریوں والے حصے (داخلی صحن نمبر۲) میں بیٹھنے کی سعادت ملی، نماز ظہر تک وہیں قیام رہا، مدینہ شریف میں بھی حضرت شیخ نے اپنے اہل خانہ کی ضروریات کا دھیان رکھنے کی ذمہ داری اپنے فرزند محمود الرحمٰن سلمہ کو سونپی، یہاں حاجی عبدالغفار صاحب بھی الگ کمرے میں تھے۔ اِس لیے اب حضرت شیخ اور ناچیز کا کھانے کا اپنا نظم تھا۔ نماز ظہر کے بعد مسجد کے باب مجیدی سے نکل کر باہر بازار میں ہوٹل پر ہی کھانا کھایا اور واپس آکر ۲۱/نمبر گیٹ (باب مجیدی) کے باہر حضرت شیخ نے آرام فرمایا اور پھر عصر کی نماز کے لیے مسجد شریف میں پہلی چھتریوں والے حصے میں آگئے۔ نماز عصر وہیں پڑھی، عصر کے بعد حافظ مٹھا صاحب بھی آگئے، حضرت شیخ نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی، تو ناچیز کو بھی تلاوت قرآن مجید کی سعادت نصیب ہوگئی۔ کچھ دیر بعد پھر ۲۱/نمبر گیٹ سے باہر نکل کر صحن میں بیٹھ کر چائے پی، حضرت مولانا حافظ محمد مسعود صاحب مدظلہ بھی وہیں ملاقات کے لیے آگئے، مغرب کی نماز کے لیے پھر پہلی چھتریوں والے حصہ میں آئے، سوموار کو وہاں روزہ رکھنے کا معمول ہے، اس لیے افطار کے وقت رمضان المبارک کے مناظر کی یاد تازہ ہوگئی۔ مغرب کے بعد حیدرآباد دکن انڈیا کے ایک مفتی صاحب

ملاقات کے لیے تشریف لے آئے، عشاء تک وہیں حضرت شیخ سے ملاقات رہی۔ عشاء پڑھ کر رہائش گاہ پر آئے تو تھوڑی دیر بعد وہی مفتی صاحب اپنے دیگر ساتھیوں کو حضرت شیخ سے ملاقات کرانے کے لیے لے آئے۔ کافی دیر تک ملاقات رہی، ان کے جانے بعد کامران صاحب کے کمرے میں حضرت شیخ اور ناچیز نے اُن کے ساتھ کھانا کھایا۔

۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۷/جنوری ۲۰۲۰ بروز منگل:

تہجد کے وقت حضرت شیخ دامت برکاتہم کی معیت میں مسجد نبوی میں حاضری ہوئی، اس وقت عموماً پہلی چھتریوں والے حصہ میں ہی بیٹھنے کا معمول تھا۔ نماز فجر کے بعد سابقہ معمولات ہی رہے، (مدینہ منورہ میں نماز فجر کے بعد مسجد نبوی شریف سے رہائش گاہ کی طرف آتے ہوئے حضرت شیخ دامت برکاتہم احباب کے ساتھ چائے نوش فرما لیتے، لیکن ناشتہ رہائش گاہ پر اپنے اہل خانہ کے ساتھ کرتے تھے، اور اُن کے پاس کافی دیر بیٹھتے۔ جب مسجد نبوی جانا ہوتا تو ناچیز کو بلا لیتے تھے۔

آج خلافِ معمول حضرت شیخ ۹:۳۰ ر بجے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے، (بندہ کو شاید اِس لیے اطلاع نہیں فرمائی کہ ممکن ہے آرام میں ہو۔) ناچیز نے اپنے کمرے میں حسب معمول ۱۰:۳۰ ر بجے تک انتظار کیا، پھر حضرت کے فرزند محمود الرحمٰن سلمہ سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت تشریف لے گئے ہیں، ناچیز بھی حرم نبوی میں آ گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین کی خدمت اقدس میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد پہلی چھتریوں والے حصہ میں آیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے قدموں کے نشانات حضرت شیخ پر واضح فرما دیئے:

تھوڑی دیر بعد حضرت شیخ بھی وہیں تشریف لے آئے، دوران گفتگو فرمایا کہ: جب میں حج کے لیے آیا تو میدانِ اُحد میں جبل رباط (جہاں غزوہ احد کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیر انداز مقرر فرمائے تھے) گیا تو چلتے چلتے مجھے عجیب قسم کا جھٹکا محسوس ہوا، ذہن میں تجسس پیدا ہوا، میں نے توجہ دی تو الحمد للہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے اور جانے کے قدموں کے نشانات الگ الگ نظر آئے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیر اندازوں کو مقرر فرمانے آئے تھے اور پھر واپس ہوئے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مکان کا نقشہ بھی اللہ نے دکھلا دیا:

آج مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابِ صدیق رضی اللہ عنہ کے اندر کی طرف بیٹھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رہائشی مکان کا انکشاف مزید توجہ دینے پر آپ رضی اللہ عنہ کے مکان کے نقشہ کا مکاشفہ ہوا، فرمایا میں تقریباً پون گھنٹہ وہیں بیٹھا رہا، وہاں عجیب و غریب انوارات محسوس ہو رہے تھے۔ مزید

فرمایا کہ: ابھی بھی آپ رضی اللہ عنہ کے مکان کی دیوار زمین کے اندر اس حالت میں موجود ہے۔ بعد میں حضرت شیخ نے بابِ صدیق سے باہر کھڑے ہو کر اس جگہ کی نشاندہی فرمائی۔

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، ۸/ جنوری ۲۰۲۰ء بروز بدھ:

حسب معمول حضرت شیخ کی معیت میں تہجد کے وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری ہوئی، باقی معمولات حسب سابق رہے، عشاء کی نماز مسجد کے دوسری چھتریوں والے حصے میں پڑھ کر بیٹھے تو ایک سندھی مولانا صاحب (جن کی گذشتہ دنوں ہمارے ساتھی نے حضرت شیخ سے ملاقات کرائی تھی) مولانا راشد خالد محمود صاحب لاڑکانہ کو حضرت شیخ سے ملاقات کرانے کے لیے لے آئے۔ کچھ دیر سب کی موجودگی میں بات چیت ہوتی رہی اور جب مولانا راشد خالد محمود صاحب جانے لگے تو وہ حضرت شیخ کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گئے اور علیحدگی میں کھڑے کھڑے کچھ دیر گفتگو کی، اُس دوران اُن کے ساتھ آئے ہوئے ساتھی نے اِس حالت میں دونوں کی موبائل پر تصویر لینی چاہی تو ناچیز نے اُن کے موبائل پر ہاتھ رکھ کر تصویر اتارنے سے روک دیا، انہوں نے علیحدگی میں ہمارے اس ساتھی سے (جو اس سے پہلے انہیں ملاقات کے لیے لایا تھا) ناراضگی کا اظہار کیا، لیکن ناچیز سے کچھ نہیں کہا، اس کے بعد مولانا صاحب واپس چلے گئے۔

مدینہ شریف میں کسی اور بزرگ کے قصد سے جانا بے ادبی ہے:

بزرگوں کا سمجھانے کا انداز نرالا ہوتا ہے، ایک مرتبہ حضرت شیخ دامت برکاتہم اپنے سب ساتھیوں کی موجودگی میں فرمایا: اگر آدمی اِس مقدس جگہ (مدینہ منورہ) میں آکر یہ جستجو کرے کہ: یہاں فلاں بزرگ آیا ہوا ہے، اُس سے ملاقات کی جائے تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علی وآلہ وسلم کی بے ادبی کے مترادف ہے، یہاں ہر وقت صرف یہی تصور میں ہو کہ ہم اس عظیم ہستی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار کے سوالی بن کر آئے ہیں اور کسی کا بھی خیال ذہن میں نہ آئے، تو اصل فیض اس سے حاصل ہوگا، وہ الگ بات ہے کہ اتفاقاً کسی سے ملاقات ہو جائے، لیکن مقصود حقیقی یہاں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی ہو۔

مسجد کا ایک اہم ادب:

اسی طرح ایک مرتبہ جامعہ مسجد برکت علی اچھرہ لاہور میں ایک مسئلہ سمجھایا، ۲۰۱۹ء میں جب حضرت شیخ حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، روانگی سے قبل ۲۸/ جولائی کا خطبہ جمعہ برکت علی مسجد لاہور میں ارشاد فرمایا، حضرت کا بیان سننے اور زیارت وملاقات کے لیے حسبِ سابق دُور دراز سے متعلقین حاضر خدمت تھے، جب حضرت بیان کے لیے مسجد میں داخل ہوئے تو دور سے آنے والے احباب فرطِ محبت اور

شوق میں اٹھ کھڑے ہوئے اور مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت نے بیان سے قبل ہی اس عمل کی اصلاح فرمائی، ارشاد فرمایا:

''ایک مسئلہ سمجھ لیں، وہ یہ کہ اگر کھانے کے دستر خوان پر کوئی جماعت بیٹھی ہو، جیسے مثلاً آپ سارے ساتھی دستر خوان پر کھانے کے لیے بیٹھے ہیں، اس دوران اگر کوئی مہمان آجائے تو کیا کھانا چھوڑ کر ملنا چاہیے یا بعد میں؟ (بعد میں!) فرمایا: جیسے کھانے کے آداب ہوتے ہیں، اسی طرح مسجد کے بھی آداب ہوتے ہیں۔ آپ تو محبت کی وجہ سے اٹھے، اللہ تعالیٰ دین اور اہل دین سے محبت برقرار رکھے۔ لیکن یہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔ مسجد میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی غذا مل رہی ہے، کھانا مل رہا ہے۔ اور یہاں بھی ہم نماز سے فراغت کے بعد باہم مل لیتے ہیں، ملاقات ہو جاتی ہے، وہ ٹھیک ہے، لیکن پہلے ملنا اور اس کے لیے صفوں کی ترتیب توڑ دینا مسجد کے ادب کے خلاف ہے۔ امید ہے مسئلہ سمجھ گئے ہوں گے۔''

مریدین ومعتقدین کا اپنے مشائخ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا:

اسی طرح بعض لوگ عقیدت کی وجہ سے حضرت شیخ کے ہاتھ چومتے ہیں۔ حضرت شیخ نے اس حوالہ سے کئی مرتبہ فرمایا: ''میں منع کرتا ہوں، لیکن مانتے نہیں۔''

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اور قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ بھی اِس عمل سے منع فرماتے تھے۔ اور اس بارے میں کافی سختی بھی فرماتے تھے، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے حالات میں اس حوالہ سے کئی واقعات پڑھے اور حضرت قائد اہل سنت نور اللہ مرقدہ کی اس سلسلہ میں سختی کا تو ناچیز نے کئی بار مشاہدہ کیا ہے ؎

نام لے لے کر تیرا ہم تو جیے جائیں گے
لوگ یوں ہی ہمیں بدنام کیے جائیں گے
جانے والے تیرے قدموں کے نشان باقی ہیں
ہم تو سجدے تیری راہوں پہ کیے جائیں گے

جنھان سومرو کے حافظ حسین سومرو صاحب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ دامت برکاتہم کے ساتھ ہم کئی ساتھی حضرت قائد اہل سنت نور اللہ مرقدہ سے بیعت کرنے کی خاطر چکوال گئے، بابا جمن رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے ساتھ تھے، راستہ میں بابا جمن نے اپنے شوق کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: میں حضرت کے ہاتھ کو بوسہ دوں گا، جب ہم چکوال پہنچے، تو حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے بابا جمن کی مخالف سمت سے مصافحہ کرنا شروع کیا اور جب بابا جمن کی باری آئی تو حضرتؒ نے مصافحہ کرنے سے پہلے ہی بابا جمن کو فرما دیا

کہ: ہاتھ کو بوسہ دینے کی کوشش نہ کرنا۔ اللہ پاک اپنے پیاروں کو بصیرت کی نگاہ سے بعض چیزیں دکھا دیتے ہیں۔ اور حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ تو بڑی جہاندیدہ شخصیت تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت قائد اہل سنت نور اللہ مرقدہ نے زندگی کے بالکل آخری دن جو نقاہت و شدید کمزوری کا دن تھا، اس دن بھی یہ عمل گوارا نہیں فرمایا۔ چنانچہ وصال سے ۷، ۸/گھنٹے قبل نماز مغرب کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہ نے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں سے ملاقات کی (یہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی مہمانوں سے آخری ملاقات تھی) جب مہمان رخصت ہونے لگے تو سب نے حضرت نور اللہ مرقدہ سے الوداعی مصافحہ کیا، ایک صاحب نے حضرت کے ہاتھ کو بوسہ دینے کے لیے اپنا منہ جوں ہی حضرت کے ہاتھوں پر رکھنا چاہا، حضرت نے کمزوری و علالت کے باوجود بجلی کی سی سرعت سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں سے کھینچ لیا (جس طرح کرنٹ لگے تو انسان فوراً ہاتھ وہاں سے ہٹا لیتا ہے۔) وہ صاحب چونکہ اپنے زور میں بوسہ دینے کے لیے منہ نیچے کر چکے تھے، اِس لیے اپنے زور میں نیچے ہو گئے اور ان کا منہ میز پر لگنے سے بمشکل بچ پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے ہر مرحلہ پر صراطِ مستقیم پر چلائے۔ آمین۔

۱۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ ۹/جنوری بروز جمعرات:

حسبِ معمول تہجد میں حضرت شیخ دامت برکاتہم کی معیت میں ہی مسجد نبوی میں حاضری ہوئی دیگر معمولات وہی رہے، آج الحمد للہ سب کے ساتھ مدینہ منورہ کی زیارتوں کے لیے جانے کی سعادت نصیب ہوئی، یہاں کی زیارتیں کرنا تو بہت بڑی سعادت ہے، بلکہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں (محبوب کی گلیوں کا تصور کر کے) چلنا بھی عبادت ہے۔ الحمد للہ مسجد قباء اور مسجد قبلتین میں نفل پڑھنے کی سعادت بھی ملی، مسجد قباء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق (انہوں نے فرمایا تھا کوئی ایسا بھی ہو جو مجھ غریب کے لیے اس جگہ پر دو نفل پڑھے) اُن کے لیے بھی دو نفل پڑھے، اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں۔ آخر میں میدان اُحد کی زیارت نصیب ہوئی، سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے احد کے مزارات کی زیارت اور دعا کی سعادت ملی۔ حضرت شیخ دامت برکاتہم ہمراہ نہیں تھے۔

۱۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ ۔ ۱۰/جنوری ۲۰۲۰ء بروز جمعہ:

حسبِ معمول تہجد کے وقت حضرت شیخ دامت برکاتہم کی معیت میں پہلی چھتریوں والے حصہ میں حاضری ہوئی، الحمد للہ نماز فجر میں امام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسنون قراءت فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی ادائیگی کی توفیق ملی جس پر شیخ العرب والعجم حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ بھی حتی الامکان عمل فرماتے تھے۔ (جب جمعہ کو نماز فجر میں مسنون قرات ہوتی ہے تو ذہن میں ان دونوں شخصیتوں کا

تصور ہوتا ہے، اللہ قبولیت سے نوازیں)۔

یثرب والے خوش قسمت لوگ:

دن میں جب گنبدِ خضریٰ کے سامنے بیٹھے تو ناچیز اُسے دیکھنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لوگوں کے والہانہ انداز میں حاضر ہونے کے مناظر دیکھنے میں محو تھا کہ ذہن میں یثرب کے لوگ آگئے جب وہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاجیوں کے اس بڑے قافلے سے، مکہ چھوڑ کر اُن کے پاس تشریف لے جانے کے سلسلہ میں مستقبل کے لیے اُن سے عہد و پیمان لے کر اُس پر بیعت فرما چکے (انسانی فطرت ہے کہ وہ جو بھی کام کرتا ہے تو اس کی توقع ہوتی ہے کہ اس کے صلہ میں زیادہ سے زیادہ نفع ہو، یثرب کے یہ لوگ بھی کتنے عظیم تھے کہ اُن کے پیشِ نظر جو متوقع فائدہ تھا اُسے دیکھتے ہوئے اُن کی سوچ پر رشک آتا ہے کہ انہوں نے کتنے بڑے نفع کا سودا کیا۔) بیعت کر چکنے کے بعد یثرب والوں نے کہا: ہمیں آپ کی ہر شرط منظور ہے، لیکن ہماری عرض ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ جب اللہ آپ کو غالب کر دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس واپس چلے جائیں!؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا: نہیں! مطمئن رہو، میں آپ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گا۔ جب تاریخ نے پلٹا کھایا اور مکہ فتح ہو گیا اور سب مکہ والوں نے اسلام قبول کر لیا، ایسے میں اگر یہ خیال کیا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب مکہ مکرمہ میں ہی قیام فرما لیں گے اور اسی کو اسلامی ریاست کا مرکز قرار دیں گے تو کوئی عجیب بات نہ تھی۔ انصارِ مدینہ کے کچھ لوگ یہی باتیں کر رہے تھے، عاشق کو تو صرف محبوب ہی مقصود ہوتا ہے، اس لیے اُن کے دلوں کو مسلسل یہی دھڑکا لگا ہوا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑی پر دعاؤں میں مصروف تھے اور ان عشاق کی نگاہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جمی ہوئی تھیں کہ دیکھیں اس معاملہ میں آپ کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو دلوں کے راز جاننے والے ہیں، اُسے بھی ان حقیقی عاشقوں کی دلی بے قراری کا علم تھا، اُس نے فوراً وحی کے ذریعہ ان خدشات کی آپ کو اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی سے فارغ ہو اُن سے دریافت فرمایا تم کیا کہہ رہے تھے؟ وہ بولے کچھ نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصرار فرمایا تو انہوں نے دھڑکتے دلوں کے ساتھ اپنی تشویش سے آگاہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان جان نثاروں کی حوصلہ شکنی کیسے کر سکتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت کی گرم جوشی کے ساتھ فرمایا: ''اللہ کی پناہ ایسا نہیں ہو سکتا میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے''۔ آج مدینہ کی محبوبیت اور مرکزیت دیکھ کر اُن جانثاروں پر رشک آتا ہے کہ انہوں نے کتنے بڑے نفع والا سودا کیا تھا۔ (جاری ہے) ☆☆☆☆

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ

صاحب التحقیق و التصنیف
حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ

مختصر تعارف

مولانا نے ۱۹۴۶ھ میں مولانا عبداللہ صاحب کے گھر بستی خاناں شریف ڈیرہ اسماعیل خاں میں جنم لیا۔ مڈل تک بستی خاناں کے قریب پرویا میں تعلیم حاصل کی، نڑھال نزد کبیر والا میں مولانا منظور الحق صاحب کے پاس درسِ نظامی حاصل کرتے رہے۔ دورۂ حدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں کیا۔ فراغت کے بعد حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ پھر کچھ عرصہ خاناں شریف پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف میں تین سال تک تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پھر کم وبیش تیرہ سال نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں استاذِ حدیث کے منصب پر فائز رہے۔ پھر بعض حالات کے باعث اپنے مدرسہ حبیب العلوم میں چار سال پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی نو سال تک شیخ الحدیث رہے۔ پھر شوال ۱۴۲۷ھ سے اپنے مدرسہ میں پڑھا رہے تھے۔ کم وبیش چھتیس کتب کے مصنف تھے۔ پسماندگان میں بیوہ، سات بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔ [نور بصیرت، ذوالقعدہ و ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ، تحریر مولانا جمیل الرحمٰن عباسی]

حضرت کے نام سے شناسائی اور نور الصباح کتاب کا مطالعہ

قریباً ۲۰۰۲ء کی بات ہے کہ بندہ حصولِ علم کے سلسلہ میں جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی میں مقیم تھا، تب ایک رسالہ پڑھنے کا اتفاق ہوا جس میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ مسئلہ ترکِ رفع یدین بھی درج تھا۔ اس رسالہ میں متعدد مقامات پر عبارتوں کو نقل کر کے بحوالہ نور الصباح لکھا ہوا تھا۔ جس سے بندہ کو اندازہ ہوا کہ ''نور الصباح'' کوئی اہم کتاب ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کتاب کے مصنف کون ہیں؟ کچھ عرصہ بعد ''نور الصباح'' کہیں سے عاریۃً مل گئی۔ کتاب پر پورا نام ''نور الصباح فی ترك رفع الیدین بعد الافتتاح '' درج تھا اور مصنف کے طور پر نام ''مناظر اسلام مولانا حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی، شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر، ناشر: جامعہ اسلامیہ حبیب العلوم بلال آباد ڈیرہ اسماعیل خان'' لکھا ہوا تھا۔

اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں غیر مقلد مصنف عبد الرشید انصاری کے بارے میں لکھا تھا کہ انہوں نے چھ سوال کئے اور ہر سوال کے جواب پر تین سو روپیہ انعام مقرر کیا۔ حضرت ڈیروی صاحب نے ان

کے ہر سوال کا جواب دیا ہر سوال کے جواب پر تین تین سو وصول کرتے رہے، یہاں تک چھ سوالوں کے جواب مکمل ہوئے۔

مسئلہ ترک رفع الیدین پر معلومات سے پُر یہ کتاب تھی جس کا مطالعہ اس وقت نصیب ہوا تھا۔ نور الصباح طبع دوم میں حضرت ڈیروی کے درج ذیل الفاظ مطالعہ سے گزرے:

''غیر مقلدین حضرات کی صفوں میں تو اس کتاب نے کھلبلی مچا دی ہے۔ چنانچہ اس کا اعتراف غیر مقلد عالم محمد سلیمان صاحب انصاری یوں کرتے ہیں: اس اکتشاف سے کچھ کھلبلی سی مچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ [گذارش احوال واقعی مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ: ۳]

اس کتاب میں محمد جونا گڑھی کے چیلنج کا جواب بھی درج ہے۔ انہوں نے ترمذی میں ترک رفع یدین کے باب ہونے کو جھوٹ قرار دیا اور پھر علمائے احناف پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے بہت کچھ کہا جس میں درج ذیل عبارت بھی ہے:

''تمہیں تمہارے رب کی قسم اگر ذرا بھی تم میں دین و دیانت ایمان و امانت ہے تو تم پر روٹی کھانا بھی حرام ہے جب تک ترمذی میں سے یہ دونوں باب نہ دکھا دو۔'' [دلائل محمدی: ۳۹]

ڈیروی صاحب نے جونا گڑھی صاحب کا چیلنج نقل کیا اور پھر ترمذی کے مختلف نسخوں سے ترک رفع یدین کا ثبوت پیش کر کے لکھا:

''ناظرین کرام! غیر مقلدین حضرات کے بزرگ مولوی محمد صاحب غیر مقلد نے احناف حضرات کو بُرا بھلا کہا ہے اور ہمیں رب کی قسم دے کر ہم پر روٹی کھانا بھی حرام کر دیا تھا جب تک ترک رفع الیدین کا باب ترمذی سے ان کو نہ دکھا دیا جائے۔ بحمد اللہ ہم نے ترمذی ہی کے نسخہ سے جو اُن کے گھر سے نکلا ہے ترک رفع الیدین کا باب دکھا دیا ہے۔ ہماری روٹی پہلے بھی حلال تھی اور اب تو احل الحلال ہو گئی ہے۔ اور جو انہوں نے ہمیں بُرا بھلا کہا ہے اور پوشیدہ خیانتیں کرنے کے ساتھ متہم کیا ہے اس کے وہ خود مستحق ہیں اور منصف مزاج غیر مقلد علامہ احمد شاکر غیر مقلد نے اس چوری کو ظاہر کر دیا ہے اور ہمیشہ چوری چور ہی کے گھر سے نکلتی ہے۔ ؏ وہ الزام ہم کو دیتے تھا قصور اپنا نکل آیا'' [نور الصباح: ۱۰۳]

نور الصباح جلد اول کے ۲۴۴ صفحات ہیں اُس دَور میں مسئلہ ترک رفع الیدین پر اس قدر ضخیم کتاب کوئی اور بندہ کی نظر سے نہیں گزری تھی۔

حضرت ڈیروی صاحب کا طرز ہے کہ وہ رجال اور اُصول حدیث پر خوب بحث کیا کرتے ہیں نیز اپنی تائید میں فریق مخالف کی عبارات بھی نقل کیا کرتے ہیں۔ یہی طرز اس کتاب نور الصباح میں بھی قائم

ہے۔ بعد میں اس کتاب کی دوسری جلد بھی شائع ہوگئی مگر اس وقت صرف پہلا حصہ تھا اس پر بھی جلد اول درج نہیں تھا۔ پھر عرصہ بعد مرکز اہل سنت سرگودھا والوں نے نور الصباح دونوں حصوں کا عکس لے کر شائع کیا تھا۔

مسئلہ ترک رفع یدین پر اب بڑی ضخیم اور تحقیقی کتب: تسکین العینین مؤلفہ مولانا نیاز احمد اکاڑوی اور جزترک رفع الیدین مؤلفہ مولانا عبدالغفار ذہبی کی منظر عام پر آچکی ہیں مگر دیکھا جائے تو بعد والی کتابوں کے لیے بنیاد کا پتھر حضرت ڈیروی صاحب کی کتاب ہے۔ بعد میں کوئی مؤلف بھی اس موضوع پر لکھنا چاہے وہ نور الصباح سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ واقعۃً یہ کتاب ''الفضل للمتقدم'' کی مصداق ہے۔

بہرحال بندہ حضرت ڈیروی صاحب کی تحقیق سے متاثر ہوا تو ان کی دیگر کتب کی جستجو ہونے لگی۔ کہیں سے معلوم ہوا کہ نماز میں آمین آہستہ کہنے پر حضرت کی کتاب ''اظہار التحسین فی اخفاء التامین'' مطبوع ہے۔ وہ خریدنے کا شوق ہوا تو کراچی کے متعدد مکتبوں سے پتہ کیا مگر کہیں سے دستیاب نہ ہوسکی۔

حضرت سے اک ملاقات

۲۰۰۴ء میں بندہ کا دَورہ حدیث تھا۔ فراغت کے بعد اپنے شہر کی معروف دینی درس گاہ ''دارالعلوم فتحیہ احمد پور شرقیہ'' میں تدریس کی خدمت میسر ہوئی۔ کچھ سال بعد ۲۰۰۷ء کے کسی مہینہ میں محترم مولانا جمیل الرحمٰن عباسی دام ظلہ نے اطلاع دی کہ جامعہ مدنیہ بہاول پور میں مولانا حبیب اللہ ڈیروی صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ آپ آجائیں ان سے ملاقات کرلیں۔ بندہ نے اس موقع کو غنیمت جانا، بتائے ہوئے وقت پر جامعہ مدنیہ پہنچا۔ حضرت دوسری منزل کے ایک کمرہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت کا بھاری جسم، مناسب قد، سفید داڑھی، موٹی پنڈلیاں تھیں۔ سادہ سا لباس پہنے ہوئے تھے اور بیگ کی بجائے کپڑے کا سلا ہوا تھیلا پاس رکھا ہوا تھا۔ جسمانی ساخت میں صحت مند پٹھان محسوس ہوتے تھے مگر زبان خالص سرائیکی بول رہے تھے۔ سرائیکی زبان ان کے بارے میں پٹھان ہونے کے وہم کا ازالہ کر رہی تھی۔

جامعہ مدنیہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دام ظلہ اپنے گھر سے حضرت کے لیے ناشتہ لائے۔ ناشتہ کی اطلاع پاکر بندہ وہاں سے اُٹھنے لگا، ارادہ تھا کہ مولانا عباسی دام ظلہ کے کمرہ میں چلا جاؤں مگر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بیٹھو! ناشتہ کرو۔ عرض کیا: مولانا عباسی صاحب کے ہاں ناشتہ کرلوں گا۔ فرمایا: ''کبھی ہمیں بھی موقع دے دیا کریں'' یاد رہے کہ بندہ حضرت مفتی صاحب کے شاگردوں کا شاگرد ہے۔ یوں ناشتہ کی فرمائش کرنا ان کی طرف سے ذرہ نوازی تھی۔ اُن کی اِس شفقت بھری فرمائش کی تعمیل کرتے ہوئے بندہ نے حضرت ڈیروی صاحب کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا۔

حضرت کی خدمت کے لیے دو طالب علم مقرر تھے، اُن میں سے ایک تو حضرت کے علاقہ کا رہنے

والا تھا، شاید دوسرا بھی ان کے علاقہ کا باشندہ ہو۔ ایک اور نوجوان طالب علم جو ٹانگوں سے معذور تھا، یہ تو معلوم نہیں جامعہ مدنیہ کا تھا یا کسی اور مدرسہ کا۔ وہ گھسٹتا ہوا اوپر کی منزل میں حضرت کو ملنے آیا۔ اس کے پُر تکلف ملنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ حضرت ڈیروی صاحب سے ان کی جان پہچان پہلے سے ہے۔ ان پر رشک آیا کہ معذور ہونے کے باوجود دوسری منزل میں حضرت کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہے۔ ناشتہ کے بعد حضرت ڈیروی صاحب سے مجھے کچھ دیر استفادہ کا موقع ملا۔ اس مجلس کی چند باتیں درج ذیل ہیں:

میرے پاس اپنی کسی کتاب کا مسودہ تھا، میں نے عرض کیا: حضرت! اس کتاب کے لیے کچھ کلمات تحریر فرما دیتے۔ فرمایا: مولانا! میرا مزاج ہے کہ کتاب مصنف کے زوردار دلائل کی بنیاد پر لوگوں میں مقبولیت حاصل کرے۔ اسے تقاریظ کی بیساکھیاں نہ لگائی جائیں۔ اس لیے میں نے اپنی کتابوں پر تقاریظ نہیں لکھوائیں۔ نور الصباح کے شروع میں جو حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی تقریظ ہے وہ میں نے نہیں لکھوائی، حضرت نے از خود تحریر فرما دی تھی۔

بندہ نے حضرت سے عرض کیا: آپ کی کتاب ''اظہار التحسین'' کا کراچی کے متعدد کتب خانوں سے پتہ کیا اور ایک سے زائد بار کوشش کی مگر یہ کتاب مجھے حاصل نہیں ہو سکی۔ فرمایا: اس کا پہلا ایڈیشن نصرۃ العلوم (گوجرانوالہ) والوں نے شائع کیا تھا، اس کے بعد دوبارہ یہ کتاب شائع نہیں ہو سکی۔''

حضرت کا یہ جواب سن کر بندہ نے مارکیٹ سے اسے تلاش کرنا چھوڑ دیا۔ راولپنڈی سے آتے ہوئے کھاریاں [گجرات] میں بھائی محمد انور سرفرازی صاحب کے پاس حاضر ہوئی۔ انہوں نے چند کتابیں ہدیۃً عنایت فرمائیں ان میں ''اظہار التحسین'' بھی تھی جزاہ اللہ۔ مطالعہ کرنے سے محسوس ہوا کہ حضرت نے اسے بھی بہت محنت اور عرق ریزی اور مخالف کی کئی کتابیں کھنگالنے کے بعد تصنیف فرمایا ہے۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد نے ایک رسالہ بہ نام ''ہدایہ عوام کی عدالت میں'' لکھا۔ حضرت ڈیروی صاحب نے اس رسالہ کا جواب ''ہدایہ علماء کی عدالت میں'' کے نام سے دیا۔ نام میں بھی یہ تاثر موجود ہے کہ ''ہدایہ'' مسائل کی کتاب ہے، اس کا فیصلہ عوام کے بس میں نہیں، فیصلہ علماء کو کرنا چاہیے۔ ڈیروی صاحب نے اس کتاب میں خواجہ صاحب کو جواب دیا اور ساتھ ہی غیر مقلدین کے اوہام بھی درج کر دیئے۔ چونکہ غیر مقلدین امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ بہت زیادہ عقیدت مندی کا دعوی کیا کرتے ہیں، اس لیے حضرت ڈیروی صاحب نے اسی کتاب میں ضمناً امام بخاری رحمہ اللہ کے بھی چند اوہام علماء حدیث کے حوالے سے درج کر دیئے۔ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے کتاب کا جو اصل موضوع تھا یعنی ہدایہ کا دفاع اس سے کچھ تعرض نہیں کیا بلکہ اس کتاب میں غیر مقلدین کی غلط بیانیاں درج کی گئیں ان کا دفاع بھی بھول گئے، بس

انہیں امام بخاری رحمہ اللہ کی فکر پڑ گئی۔ لہٰذا انہوں نے ''امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ'' عنوان سے ایک رسالہ لکھ دیا۔

حضرت ڈیروی صاحب نے اس مجلس میں مجھ سے فرمایا: ''میں نے ارشاد الحق اثری کے اس رسالہ کا جواب لکھنے کا عزم کیا ہوا ہے، مگر ہمارے اپنے کہہ رہے ہیں کہ غیر مقلدین کی تردید میں امام بخاری رحمہ اللہ کو بیچ میں نہ لاؤ۔'' اس کے بعد حضرت کی بہت جلد وفات ہو گئی تھی۔

یہاں یہ بات جانتے چلیں کہ امام بخاریؒ کے بارے میں خود غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ ان سے متعدد مقامات پر غلطیاں ہوئیں۔ یہ غلطیاں ان کی عام کتابوں میں بھی ہیں اور صحیح بخاری میں بھی۔ صحیح بخاری میں موجود غلطیوں کو حضرت مولانا حافظ عبد القدوس خان قارن دام ظلہ نے علامہ وحید الزمان غیر مقلد کی زبانی ''بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں'' عنوان سے لکھے گئے اپنے رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔

کئی غیر مقلد علماء نے بخاری و مسلم کی بہت سی احادیث پر ضعف کی چھاپ لگائی اور متعدد راویوں پر جرح کے نشتر چلائے۔ ان غیر مقلدین میں شیخ البانی پیش پیش رہے ہیں، جنہوں نے بخاری و مسلم کی حدیثوں کو سلسلہ ضعیفہ و موضوعہ میں شامل کر دیا ہے۔ بندہ نے غیر مقلدین کی کتابوں میں درجنوں عبارات پر نشان لگا رکھے ہیں، جن میں انہوں نے بخاری و مسلم پر جرح کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان عبارات کو بہت جلد منظر عام پہ لایا جائے گا۔ ان شاء اللہ

اس مجلس میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب ''احسن الکلام'' کا ذکر خیر آیا تو فرمایا: حضرت نے جس زمانے میں یہ کتاب لکھی تھی اس زمانے میں بہت سی کتب قلمی شکل میں مختلف کتب خانوں میں تھیں جن تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔ اب ماشاء اللہ بہت سی قلمی کتابیں شائع ہو چکیں، ان کتابوں میں فاتحہ کے مسئلہ پر احناف کے مزید دلائل موجود ہیں جو ''احسن الکلام'' میں نہیں آ سکے۔

حضرت ڈیروی صاحب ''احسن الکلام'' کو بہت سراہتے تھے چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''قارئین کرام! فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ہمارے استاد محترم محقق وقت شیخ الحدیث ابوالزاہد مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر دام مجدھم نے احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام لکھ کر غیر مقلدین حضرات کو پریشانی کے عالم میں مبتلا کر دیا ہے، فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء اور رفع الیدین کے بارے میں بندہ کی یہ کتاب حاضر خدمت ہے ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ اور مسئلہ آمین کے بارے میں مسودہ جمع کیا جا چکا ہے۔'' [نور الصباح: ۲۰]

ڈیروی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ہمارے شیخ مکرم محدث اعظم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم العالیہ نے احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام جیسی ٹھوس مدلل کتاب تحریر فرما کر ہم اہلِ سنت والجماعت پر احسانِ عظیم کیا اور غیر مقلدین حضرات کی صفوں میں کھلبلی سی مچادی ہے۔''

[توضیح الکلام پر ایک نظر:۹]

بندہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں فون پر آپ سے رہنمائی لیا کروں گا۔ فرمایا جی ٹھیک ہے آپ بات کرلیا کرنا۔ حضرت کے موبائل میں وارد کی سم تھی، بندہ نے خاص ان سے رابطہ کی خاطر وارد کی سم خریدی۔ اس سم کے ذریعہ کال کرکے اپنا تعارف کرایا اور عرض کیا آپ سے رہنمائی لینے اور کال کرنے کی بندہ نے اجازت لی تھی۔ فون پر ان سے میری یہ بات شعبان کے مہینے میں ہورہی تھی۔ فرمایا: جی جی، آپ رمضان کے بعد سے رابطہ میں رہنا'' مگر افسوس کہ رمضان آکر گزر گیا اور حضرت کی اچانک وفات ہوگئی۔ میں ان سے فون پر استفادہ کرنے سے محروم ہی رہا۔

حضرت ڈیروی صاحب سے میری یہ ملاقات جامعہ مدنیہ بہاول پور میں ہوئی۔ حضرت جب یہاں سے تشریف لے جانے لگے تو مولانا جمیل الرحمٰن عباسی دام ظلہ نے اپنے زیرِ ادارت نکلنے والے رسالے ''نور بصیرت'' کے چند شمارے انہیں ہدیہ میں پیش کئے اور پھر اُن شماروں کو پاس رکھے ہوئے ان کے تھیلے میں رکھ دیا۔

ڈیروی گرفت اور اثری رجوع

حضرت ڈیروی صاحب نے مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کی کتاب ''توضیح الکلام'' پر نقد وتنقید کی جو ''توضیح الکلام پر ایک نظر'' کے نام سے شائع ہوئی۔ حضرت نے اس مجلس میں اپنی اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''فی الحال اس کا جواب نہیں آیا۔''

بعد میں اثری صاحب کی طرف سے جواب الجواب '' تنقیح الکلام فی تائید توضیح الکلام '' کے عنوان سے مارکیٹ میں آیا۔ اسے پڑھ کر حضرت ڈیروی صاحب کی مضبوط گرفت کا اندازہ ہوا۔ ڈیروی گرفت کی تاب نہ لاکر اثری صاحب کو توضیح الکلام سے بہت سی عبارتیں حذف کرنا پڑیں اور کئی مقامات پر ترمیم کے لیے مجبور ہوئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ متعدد جگہوں پر اعتراف بھی کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، آئندہ ایڈیشن میں اسے حذف یا درست کردوں گا۔ ذیل میں چند ایسے مقامات ملاحظہ فرمائیں جہاں اثری صاحب نے ڈیروی گرفت کے سامنے سر جھکالیا۔

(ا) اثری صاحب نے حضرت ڈیروی صاحب کی گرفت کے جواب میں کہا:

’’دوسرے ایڈیشن میں ہم نے حدثنا کو حذف کر دیا ہے۔‘‘[تنقیح الکلام:۱۶۲]

(۲)اثری صاحب نے لکھا:

’’امام بخاری فرماتے ہیں کہ عکرمہ ثقہ ہے۔‘‘

ڈیروی صاحب نے اس پر گرفت کی تو اثری صاحب نے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے کہا:

’’بلا ریب صراحۃً امام بخاری سے توثیق منقول نہیں۔اسی لئے دوسرے ایڈیشن میں ہم نے امام بخاری کا نام حذف کر دیا ہے۔‘‘[تنقیح الکلام:۱۶۴]

(۳)اثری صاحب نے ایک سند کے متعلق لکھا تھا:

’’اس میں عون بن موسی دراصل سفیان بن موسی ہے اور وہ صدوق ہے۔‘‘

حضرت ڈیروی صاحب نے اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھا:

’’اسے سفیان بن موسی بنانا اور اس کی توثیق کرنا اثری صاحب کا کارنامہ ہے۔‘‘

[توضیح الکلام پر ایک نظر:۲۸۱]

اثری صاحب نے اس گرفت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور کھلے لفظوں میں تسلیم کیا:

’’بلاشبہ عون بن موسی کو متعین کرنے میں اس ناکارہ سے غلطی ہوئی۔‘‘[تنقیح الکلام:۱۹۳]

(۴)اثری صاحب لکھتے ہیں:

’’توضیح (ج۱ص۲۶۶) میں لکھا گیا ہے کہ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ امام مالک،ابن اسحاق کو پہچانتے ہی نہیں،جس پر ہمارے مہربان [ڈیروی صاحب (ناقل)]فرماتے ہیں:’’یہ اثری صاحب کا خالص جھوٹ ہے۔(ایک نظر:۲۸۳)بلاشبہ یہ قول امام ابوزرعہ کا نہیں۔‘‘[تنقیح الکلام:۲۰۲]

(۵)اثری صاحب نے توضیح الکلام میں نقل کیا:

’’محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابن اسحاق صدوق ہے۔‘‘[توضیح الکلام:۱/۲۲۵]

حضرت ڈیروی صاحب نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

’’یہ محض جھوٹ ہے کہ تمام محدثین کرام متفق ہیں۔‘‘

اثری صاحب نے اس کے جواب میں لکھا:

’’یہاں لفظ کبار ساقط ہوگیا۔یعنی کبار محدثین ہے صرف محدثین نہیں۔‘‘[تنقیح الکلام:۲۰۳]

(۶)اثری صاحب نے ڈیروی صاحب کے بارے میں لکھا:

’’انہوں نے توضیح (ج۲ص۲۰۱) سے یہ بھی نقل کیا کہ یہاں ان هو الا ذکر للذاکرین کو قرآن

کی آیت باور کروایا گیا ہے حالانکہ یہ آیت اس طرح نہیں۔ (ایک نظر: ص ۲۵۲، ۲۵۳) بلاشبہ ان الفاظ سے یہ آیت نقل کرنے میں خطا ہوئی۔'' [تنقیح الکلام: ۲۳۸]

(۷) اثری صاحب ایک اور جگہ ڈیروی گرفت کے سامنے جھکتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بلاشبہ امام یحییٰ بن معین نے ابن اسحاق پر امام مالک کی جرح کا جواب نہیں دیا۔ نئے ایڈیشن میں اسے درست کر دیا گیا ہے۔'' [تنقیح الکلام: ۲۴۷]

(۸) ایک اور اعترافِ خطا ملاحظہ فرمائیں۔ اثری صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ شوکانی کی عبارت کو سمجھنے میں یہاں اس ناکارہ سے خطا ہوئی جس کا ازالہ دوسرے ایڈیشن میں کر دیا گیا ہے۔'' [تنقیح الکلام: ۲۸۵]

(۹) چلیں ایک اور حوالہ بھی پڑھیں۔ اثری صاحب لکھتے ہیں:

''جزء القراءۃ (ص ۱۵) مطبوعہ پریس لاہور میں بھی اسی طرح قال ثنا صدقه بن خالد ہے۔ جس سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ امام بخاری بھی اسے صدقہ سے براہ راست روایت کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی اسے ہشام بن عمار ہی سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ خلق افعال العباد (ص ۶۷) سے عیاں ہوتا ہے اور ہشام کا واسطہ جزء القراءۃ کے نسخہ سے گرا ہوا ہے۔ توضیح کے دوسرے ایڈیشن میں راقم نے اس کا ازالہ کر دیا ہے۔'' [تنقیح الکلام: ۲۸۶]

(۱۰) لیجئے! دسویں عبارت بھی حاضر ہے۔ اثری صاحب نے لکھا:

'' التلخیص کے مطبوعہ نسخہ میں اسی تصحیح کی نسبت جو امام ابوداؤد کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔ وہ طباعتی غلطی کا نتیجہ ہے۔ توضیح الکلام کی طبع اول میں خود یہ ناکارہ اس کا تتبع نہ کر سکا۔ اس لیے التلخیص کی عبارت سے تصحیح کی نسبت امام ابوداود کی طرف ہوگئی۔'' [تنقیح الکلام: ۳۱۸]

یہ وہ مقامات ہیں جہاں اثری صاحب نے ڈیروی صاحب کے تنبیہ کرنے پر اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا ہے۔ جب کہ بہت سی جگہوں میں اعتراف کئے بغیر چپکے سے بھی عبارتوں کو غائب کر دیا۔ مثلاً انہوں نے مکحول کی حدیث کے بارے میں لکھا تھا: ''اس حدیث میں اضطراب کا راز کھلا تو صرف حضرات علماء احناف پر، آخر کیوں۔ آپ ہی اپنی کج بینی پر غور کریں۔'' [توضیح الکلام: ۱/۳۵۵ طبع قدیم]

حضرت ڈیروی صاحب نے اثری صاحب کی اس بات کو غلط بیانی قرار دیتے ہوئے علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ کا حوالہ التمہید: ۱۱/۴۶ سے نقل کیا کہ انہوں نے بھی اس حدیث میں اضطراب بتایا ہے۔ [توضیح الکلام پر ایک نظر: ۱۰۲]

حضرت ڈیروی کے تعاقب کرنے پر اثری صاحب نے توضیح الکلام طبع جدید: ۳۲۹ پر مذکورہ عبارت کو خاموشی سے حذف کر دیا۔

الزامِ تحریف سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی براءت

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی کتاب ایضاح الادلہ میں سہواً ایک آیت غلط درج ہوگئی تھی۔ محمد حسین بٹالوی سے لے کر ارشاد الحق اثری تک غیر مقلدین سے اس کتاب کا جواب نہیں بن پڑا۔ البتہ اس کتاب کی مقبولیت کو کم کرنے کے لیے یہ شور مچاتے چلے آئے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے قرآنی آیت میں تحریف کر دی ہے۔ غیر مقلدین کی درجنوں کتابوں خاص کر تقلید کی تردید میں لکھی گئی قریباً ہر تحریر میں بندہ نے ان کا یہ واویلا دیکھا کہ شیخ الہند نے جان بوجھ کر آیت کو غلط لکھا ہے۔ یہاں تک کہ اثری صاحب نے بھی یہی راگ الاپ دیا کہ شیخ الہند نے مذہبی حمیت میں ایک خود ساختہ آیت لکھ دی ہے۔
[توضیح الکلام طبع قدیم: ۱/۲۵۳]

حضرت ڈیروی صاحب نے اپنی کتاب ''توضیح الکلام پر ایک نظر'' کے 'باب التحریفات'' میں اثری صاحب کی کتاب توضیح الکلام سے متعدد آیات نقل کر کے نشان دہی فرمائی کہ یہ آیتیں غلط لکھی ہوئی ہیں۔ جب الزام خود اثری صاحب پر الٹ پڑا تب انہیں تسلیم کرنا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

''سیدھے ہاتھوں یہ اعتراف کیوں نہیں کر لیا جاتا کہ یہ حضرت شیخ الہند سے چوک ہوئی... اللہ تعالیٰ بھلا کرے سید [سعید (ناقل)] احمد پالن پوری صاحب کا کہ انہوں نے بالآخر تسہیل الادلہ کاملہ کے پیش لفظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: یہ سبقت قلم ہے... (تسہیل الادلہ کاملہ: ص ۱۸، ۱۹) مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اپنے خط میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ فی الواقع یہ خطا مولانا محمود الحسن سے ہوئی اور یہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے۔ ملاحظہ ہو 'الردود' مؤلفہ بکر بن عبد اللہ ابو زید کا حاشیہ ص ۲۴۲''
[تنقیح الکلام: ۲۳۶]

مولانا محمد جوناگڑھی اور مولانا عبد القادر حصاروی سے لے کر دَورِ حاضر کے تک کے غیر مقلد لکھاری عناداً حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سہو کو تحریف کہتے چلے آئے ہیں، میری معلومات کے مطابق سب سے پہلے اثری صاحب نے اسے تحریف کی بجائے سہو قرار دیا۔ اس کے پیچھے حضرت ڈیروی رحمہ اللہ کی محنت، کاوش اور گرفت کا دخل ہے، ورنہ اس گرفت سے پہلے خود اثری صاحب بھی اس پر تحریف کا لیبل لگا چکے ہیں۔

اثری صاحب جب ایضاح الادلہ میں درج آیت کو تحریف کی بجائے سہو تسلیم کر چکے ہیں تو اب انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ وہ توضیح الکلام طبع جدید میں تحریف قرار دینے کی ساری بحث کو حذف کر دیتے، مگر افسوس کہ انہوں نے اسے حذف نہیں کیا۔ آپ توضیح الکلام طبع جدید: ۲۴۰، ۲۴۱ کھول کر دیکھ لیجئے! یہ بحث وہاں اب بھی موجود ہے۔

مولانا عمر فاروق قدوسی غیر مقلد نے بھی ایضاح الادلہ کی عبارت کو سہو قرار دیا، چنانچہ انہوں نے دیوبندیوں کے متعلق لکھا:

''انہوں نے طویل عرصہ تک اس غلطی کو درست نہیں کیا... جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن سے ہوئی تھی... مولانا موصوف سے تو سہواً ایسا ہو گیا۔'' [اہلِ حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں: ۱۸۵]

ڈیروی صاحب علماء کرام کی نظر میں

ڈیروی صاحب کے استاذِ مکرم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے لکھا:

''فاضل نوجوان، عالمِ اجل، نکتہ رس، ذہین وفطین، وسیع النظر اور کثیر المطالعہ حضرت مولانا حافظ محمد حبیب اللہ صاحب دام مجدہم ڈیروی فاضل نصرت العلوم گوجرانوالہ'' [تقریظ نور الصباح: ۱۲]

حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ کو خط لکھا۔ خط کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

''ہدیہ سنیہ یعنی کتاب مستطاب نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح وصول ہوئی، ممنون فرمایا، جزاکم اللہ تعالیٰ عنی و عن سائر اهل العلم خیرا. مطالعہ کر کے مسرت ہوئی کہ آپ کے مدرسہ نصرت العلوم سے ایسے فضلاء نکلے جو اس طرح دادِ تحقیق دیتے ہیں کثر الله امثالهم.''

[نور الصباح: ۱۷]

حضرت مولانا مفتی محمد انور اکاڑوی دام ظلہ لکھتے ہیں:

''غیر مقلدین کی ان جیسی بے اعتدالیوں کے پیشِ نظر مولانا حبیب اللہ صاحب ڈیروی مدظلہ نے ایک کتاب نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح لکھی جس میں اس علاقے کی متواتر ترک رفع یدین والی نماز کو صحیح ثابت کیا... بہر حال اس کتاب نور الصباح سے عوام کے اکثر مغالطات دُور ہوئے اور ان کو اپنی نماز کے بارہ میں اطمینان قلبی حاصل ہوا۔'' [تجلیات انور: ۱/ ۳۵۷، ۳۵۸]

حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی دام ظلہ لکھتے ہیں:

''مولانا ایک جید عالم دین، نامور محقق، قابلِ فخر مناظر، مایہ ناز مصنف، لائقِ رشک نکتہ دان و نکتہ

ہیں،کہنہ مشق مدرس،فن اسماءالرجال کے بحرنا پیدا کنار،بہترین نقاد،امام اہلِ سنت کے تلمیذ ارشد و معتمد خاص، اہلِ سنت والجماعت کے لائق افتخار ترجمان، بزم احناف کے تابندہ چراغ اور مسلک حق کی نظریاتی سرحدوں کے چاک و چوبند محافظ تھے،آپ کے قلم کی صداقت رقم کی ذرا سی جنبش سے گمراہی کے مراکز لرزا بر اندام ہو جاتے۔آپ کی ہر تحریر بدعت کے ایوانوں پر بجلیاں گراتی،ہر تحقیق دجل و تلبیس اور الحاد و زندقہ کی عمارتوں کو پیوند خاک کر دیتی۔ان گوناں گوں اوصاف حسنہ کی جامع شخصیت ہونے کی باوصف عاجزی آپ پر بس تھی اور انکساری آپ پر ختم‘‘ [مجلّہ نورِ بصیرت بہاول پور شمارہ:۲۳،ذوالقعدہ و ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ اداریہ]

عباسی صاحب نے حضرت ڈیروی کی کتاب ’’نور الصباح‘‘ پر باقاعدہ تبصرہ بھی تحریر کیا تھا اس تبصرہ کی کچھ سطریں درج ذیل ہیں:

’’محقق العصر حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی نور اللہ مرقدہ تحقیق کے میدان کے مسلم شہسوار گذرے ہیں۔مسلکی دفاع اور ردفرق باطلہ وضالہ میں ان کے کارنامے آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ آپ کے جاندار قلم سے جہاں دیگر وقیع کتب منصۂ شہود پر آئی ہیں وہاں نور الصباح فی ترك رفع اليدين بعد الافتتاح ... جیسی معرکۃ الآراء کتاب بھی منظرِ عام پر آئی...قارئین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس مایہ ناز کتاب سے ضرور مستفید ہوں خصوصا وہ حضرات جو لامذہبیت کی طرف سے پھیلائی گئی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں وہ اس نور الصباح سے ضرور روشنی حاصل کریں۔‘‘

[نور بصیرت بہاول پور جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ:۴۷]

حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب دام ظلہ لکھتے ہیں:

’’علامہ حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے اپنی کتاب ’’ تنبيه الغافلين على تحريف الغالين ‘‘میں ان [غیر مقلدین (ناقل)] کی تحریفات کی خوب نقاب کشائی کی ہے۔یہ کتاب قابل دید و لائق مطالعہ ہے۔ جزاه الله احسن الجزاء‘‘ [علمائے دیوبند پر زبیر علی زئی کے الزامات کے جوابات:۲۰۹]

اللہ تعالی کا فضل

فقہ حنفی کی معروف کتاب ’’ہدایہ‘‘ میں مسائل کے ساتھ بطور دلائل احادیث بھی درج ہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے احادیثِ ہدایہ کی تخریج فرمائی،مگر کہیں کہیں یہ بھی لکھ دیا:لم اجده ...یا... ما وجدناه یعنی اس حدیث کو میں نہیں پا سکا۔انہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ حدیث ذخیرہ احادیث میں نہیں بلکہ صرف اپنی بارے میں کہا کہ میں اسے نہیں پا سکا۔غیر مقلد لکھاریوں نے ہدایہ پر اعتراضات کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب ’’الدراية فی تخريج احاديث الهداية‘‘ کو سامنے رکھا۔جہاں انہوں نے لکھا کہ یہ

حدیث مجھے نہیں ملی، اسے اپنی تحریر میں نقل کیا اور پھر دعویٰ کر دیا کہ یہ حدیث کسی کتاب میں موجود نہیں اور یہ کہ اسے حدیث باور کرانا صاحبِ ہدایہ کا بہتان ہے وغیرہ۔

حضرت ڈیروی صاحب نے ایسی احادیث کو کتبِ حدیث سے تلاش کیا۔ کتاب میں جگہ جگہ ''اللہ تعالیٰ کا فضل'' عنوان قائم کر کے ایسی حدیثوں کو درج کیا اور پھر ہر حدیث کے بعد ''محدث اعظم صاحب ہدایہ زندہ باد'' یا اس سے ملتے جلتے الفاظ لکھتے چلے گئے۔ دیکھئے ہدایہ علماء کی عدالت میں: ۲۴۱/ سے آخر کتاب تک۔ اس بارے میں حضرت کی درج ذیل تحریر بھی ملاحظہ فرمائیں:

''جب حافظ ابن حجر کے الدرایہ کا مطالعہ کیا تو اس میں حافظ صاحب بعض اوقات فرما جاتے لم أجده کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی اور پھر نصب الرایہ علامہ زیلعی کا مطالعہ کیا تو اس سے پتہ چلا کہ صاحب ہدایہ نے جو احادیث ہدایہ میں بیان کی ہیں وہ اکثر احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، صرف چند احادیث ایسی ہیں جو نہیں مل سکیں۔ علامہ عینی و حافظ ابن ہمام کو بھی وہ احادیث نہیں مل سکیں۔ راقم الحروف پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہوا کہ چند چیزیں جو اِن حضرات کو نہ مل سکتی تھیں اس عاجز کو حدیث کی کتابوں سے مل گئی ہیں۔ اس سے صاحب ہدایہ کا وقار راقم الحروف کے دل میں بہت بڑھ گیا ہے وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.'' [ہدایہ علماء کی عدالت میں: ۸۱]

محمد بن اسحاق اور حضرت ڈیروی صاحب

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اعتراض کیا کہ ڈیروی صاحب نے محمد بن اسحاق راوی کو ''مشہور دلا'' کہہ کر بازاری قسم کی گالی ہے۔ [علمی مقالات: ۱/۵۸۲]

جب کہ علی زئی صاحب نے دوسرے مقام پر تسلیم کیا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''حبیب اللہ ڈیروی نے امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا... در اصل محمد بن اسحاق ہے جو کہ مشہور دلا ہے۔ (توضیح الکلام پر ایک نظر: ۱۱۷) حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے ہمارے پاس خود آ کر کہا تھا کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔'' [علمی مقامات: ۳/۵۵۷]

علی زئی صاحب کی مذکورہ عبارت ان کے اس مضمون کا حصہ ہے جس میں انہوں نے یہ بتانا چاہا کہ کاتب کی غلطی، مصنف کا سہو اور کمپوزنگ کی غلطیاں قابلِ اعتراض نہیں ہوتیں۔

حضرت ڈیروی کے ایک مباحثہ کا تذکرہ

حضرت ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''راقم الحروف مکتبہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ میں گیا۔ وہاں قاضی عبدالرشید صاحب غیر مقلد آف

جلھن گوجرانوالہ، مولانا محمد یعقوب قصوری حنفی اوراس کے رفقاء کے ساتھ یہ بحث کررہا تھا کہ مولانا سرفراز خان صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ قاضی شوکانی شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔انہوں نے مجھ سے پوچھا تو راقم الحروف نے جواب دیا کہ حضرت صفدر صاحب دام مجدہم قاضی شوکانی کو غیر مقلد لکھتے ہیں، شافعی تحریر نہیں کرتے۔اس پر قاضی عبدالرشید صاحب نے ضد کیا کہ مولانا سرفراز خان نے اپنی کتابوں میں قاضی شوکانی کو شافعی لکھا ہے۔تو راقم الحروف نے کہا کہ میرے پاس اس وقت نو سو روپے نقد موجود ہیں۔اگر آپ حضرت صفدر صاحب کی کسی تصنیف سے قاضی شوکانی کا شافعی ہونا دکھا دیں تو نو سو نقد آپ کو بطور انعام دیئے جائیں گے۔اس پر قاضی عبدالرشید صاحب خاموش ہو گئے۔پھر دوسرا مسئلہ آمین بالجہر چلا تو راقم الحروف نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک آمین بالجہر کے قائل نہیں ہیں۔حتی کہ امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں کہ مقتدی آمین بالجہر نہ کہیں۔میں مقتدیوں کے لئے آمین بالجہر پسند نہیں کرتا۔اس پر قاضی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ کتاب الام میں یہ بات امام شافعی نے تحریر نہیں کی۔اس پر راقم الحروف نے مؤاخذہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ غیر مقلدین کے کتب خانہ سے کتاب الام لے آئیں۔اگر اس میں یہ مسئلہ اس طرح تحریر نہ ہو تو پھر بھی نو سو روپے آپ کو انعام ملے گا۔اس پر قاضی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ آپ مولانا حبیب اللہ ڈیروی معلوم ہوتے ہیں۔راقم الحروف نے کہا: وہ کیسے؟ تو قاضی صاحب نے کہا: یہ وہی آواز ہے جو مولانا یونس نعمانی کے ساتھ مناظرہ کی کیسٹ میں مَیں نے سنی ہے۔اس کے بعد قاضی عبدالرشید صاحب نے کہا مولانا سرفراز صاحب نے اپنی تصانیف میں قاضی شوکانی کو کہیں بھی شافعی نہیں لکھا، میں ان حضرات کے ساتھ مذاق کررہا تھا۔‘‘[توضیح الکلام پر ایک نظر:۹،۱۰]

ڈیروی صاحب کی تصانیف

۱)۔نور الصباح فی ترك رفع الیدین بعد الافتتاح (دوجلدیں)

یہ کتاب مسئلہ ترک رفع یدین کے دلائل پر مشتمل ہے۔اس پر غیر مقلدین نے اشکالات اٹھائے تو جواب کے لیے حضرت نے نور الصباح جلد دوم تحریر فرمائی۔پہلی جلد کے ۲۴۴...اور دوسری جلد کے ۳۶۲/ صفحات ہیں۔نور الصباح جلد:۲/۲۲۷ پر حضرت ڈیروی کے ایک خط کا عکس بھی شائع ہے۔

۲)۔توضیح الکلام پر ایک نظر۔

یہ کتاب، مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد کی کتاب ’’توضیح الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام‘‘ پر ردو تنقید ہے۔’’توضیح الکلام پر ایک نظر‘‘ بڑے سائز کے تین سو پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳)۔ہدایہ علماء کی عدالت میں

اس میں فقہ حنفی کی معروف کتاب ’’ہدایہ‘‘ پر اُٹھائے گئے اعتراضات کا جواب ہے۔

۴)۔تنبیہ الغافلین علی تحریف الغالین

اس کتاب میں غیر مقلدین کی کتابوں سے ان آیات کو جمع کیا گیا ہے جنہیں ان لوگوں نے غلط درج کیا ہوا ہے۔

۵)۔اظہار التحسین فی اخفاء التامین

یہ کتاب ۱۸۱ر صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں آمین آہستہ کہنے کے دلائل دیئے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ رجال پر بھی خوب بحث ہے۔

۶)۔ ضرب المهند

اس کتاب میں منکرین حیات قبر کی اصلاح پر مشتمل مواد ہے۔

۷)۔قہر حق بر صاحب ندائے حق

محمد حسین نیلوی مماتی صاحب نے مماتیت کے پرچار و دفاع کے لئے ’’ندائے حق‘‘ کتاب لکھی تھی۔قہر حق اسی ندائے حق کا جواب ہے۔

۸)۔قربانی صرف تین دن ہیں۔

اس کا عنوان کتابچہ کے نام سے ہی ظاہر ہے۔

۹)۔الشیٔ العجاب فی حلة الضراب

اس کتابچہ کا بندہ مطالعہ نہیں کر سکا۔

حضرت کی کتاب ’’توضیح الکلام پر ایک نظر‘‘ کے پچھلے ٹائیٹل پر حضرت رحمہ اللہ کی چند زیر طبع کتابوں کی فہرست ہے۔ان کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

☆...مسئلہ رفع الیدین پر انعام یافتہ تحریری مناظرہ۔

قاضی عبد الرشید غیر مقلد نے چھ سوالات کئے اور ہر سوال کے جواب پر تین سو روپے انعام کا وعدہ کیا۔حضرت ڈیری صاحب نے ان سوالوں کا جواب دیا۔اندازہ یہی ہے کہ حضرت کا یہ رسالہ انہی سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔

☆...مناظرہ تحریری بر فاتحہ خلف الامام

یہ مناظرہ حضرت ڈیروی اور غیر مقلد عالم ابو البرکات کے درمیان ہوا۔

☆احقاقِ حق یعنی فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

☆... نفحات العطر فی ابحاث الوتر

نام سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں نماز وتر کے حوالے سے بحث ہے۔

☆... العروج بالفروج یعنی غیر مقلدین کی ترقی کا راز

رسالہ کے نام سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اس میں یہ ظاہر کرنا ہے کہ غیر مقلدین کی ترقی میں ایک وجہ عورتیں ہیں۔

☆... نذر لغیر اللہ حرام ہے (بریلوی حضرات کا فتوی)

☆... بریلوی حقائق بجواب دیوبند حقائق

حضرت رحمہ اللہ کے وارثوں سے گذارش ہے کہ ان کی جو غیر مطبوعہ کتابیں/مسودات ہیں انہیں محفوظ رکھیں اور اشاعت کا کوئی انتظام کریں۔

وفات/ سفر آخرت

۲۰۰۷ء... ۵ نومبر کو صبح کے وقت مَیں جامعہ فتحیہ احمد پور شرقیہ میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبد المجید دامت برکاتہم کے ساتھ کھڑا تھا۔ انہوں نے فرمایا: مولانا حبیب اللہ ڈیروی صاحب فوت ہو گئے ہیں!!'' بات کے انداز سے کچھ خبر اور کچھ سوال محسوس رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا: مجھے علم نہیں۔ فرمایا: ''اسلام اخبار میں ان کی وفات پر کسی کا مضمون شائع ہوا ہے۔'' بندہ نے وہیں کھڑے کھڑے مولانا جمیل الرحمٰن عباسی دام ظلہ کو فون کر کے اس بارے میں تصدیق چاہی۔ انہوں نے فرمایا: مجھے کچھ علم نہیں، ٹھہرو! ابھی میں ڈیروی صاحب کے بیٹے مولانا احسان اللہ سے رابطہ کر کے بتاتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے پتہ کر کے تھوڑی دیر بعد بتایا کہ پرسوں [۳ نومبر] کو حضرت کی وفات ہو گئی ہے۔ حضرت نے عشاء کی نماز کے لیے وضو کیا اور پھر کلمہ پڑھتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے ہی تھے کہ دل کی حرکت بند ہونے کے باعث فوت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عباسی صاحب نے نور بصیرت مجلّہ میں ''مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی کا سانحہ ارتحال'' عنوان سے دو صفحات پر مشتمل مضمون تحریر فرمایا جس کے کچھ اقتباسات بندہ نے اوپر نقل کر دیئے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈیروی رحمہ اللہ کی بشری لغزشوں کو معاف فرما کر ان کے درجات بلند کرے اور ان کی تمام خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

رب نواز عفا اللہ عنہ، مدیر اعلیٰ: مجلّہ **الفتحیہ** احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور

۱۶/ اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز جمعۃ المبارک

مولانا مجیب الرحمٰن ڈیروی قسط:۴

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اتفقوا علی انّ ظاھر الآیۃ یقتضی ان لایحرّم سوی ھٰذہ الاشیاء ،لکنّا نعلم انّ فی الشرع اشیاء اُخر سواھا من المحرّمات فتصیر کلمۃ انّما متروکۃ الظاھر فی العمل ومن قال انّھا لاتفید الحصر فالاشکال زائل. [مفاتیح الغیب: ۱۹۹/۵]

مفسرین کا اتفاق ہے کہ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ اِن چار چیزوں کے سوا چیزیں حرام نہ کہی جائیں، لیکن ہمیں علم ہے کہ شریعت میں اِن کے سوا اور چیزیں بھی حرام ہیں، لہٰذا عملاً کلمہ "اِنَّمَا" کا ظاہر (یعنی حصر والا معنی) متروک ہے، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ "اِنَّمَا" حصر کا فائدہ ہی نہیں دیتا تو اُن کے قول پر تو اشکال ہی ختم ہو گیا۔

امام رازی کی یہ عبارت بتا رہی ہے کہ شریعت میں صرف یہ چار چیزیں حرام نہیں ہیں بلکہ اِن کے سوا جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، دوسرے یہ کہ کلمہ اِنَّمَا حصر کے معنی میں ہے ہی نہیں، یا تو اس لئے کہ اِنَّمَا حصر کا معنی ہی نہیں دیتا، یا اس لئے کہ حصر کا معنی تو دیتا ہے لیکن یہاں اُس کا حصر والا معنی متروک ہے، لیجیے سارا اِشکال ہی ختم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہی تقریر دوسری آیت میں کرنی پڑے گی۔

دوم: اہل علم سمجھتے ہیں کہ ہر جگہ حصر حقیقی نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مقامات پر حصر اضافی بھی ہوتا ہے، اِن آیات میں بھی حصر حقیقی نہیں ہے، بلکہ حصر اضافی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف (ان چیزوں کو) حرام کیا ہے (اور اُن چیزوں کو حرام نہیں کیا جن کو تم اپنی طرف سے حرام کر رہے ہو جیسا گذرا، یعنی) مردار (جانور کو جو باوجود واجب الذبح ہونے کے بلا ذبح شرعی مر جاوے) اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اُس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو (ان سب کو حرام کیا ہے) [بیان القرآن: ۹۶/۱]

یعنی حصر اضافی ہے کہ تمہارے حرام ٹھہرائے ہوئے بہت سے جانوروں میں سے صرف یہ جانور حرام ہیں، باقی حرام نہیں جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام۔ (روح المعانی: ۴۸۰/۷)

ذمی کا لقطہ (گری پڑی چیز) حلال نہیں:

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذمی غیر مسلم کی گری پڑی چیز تمہارے لئے حلال نہیں، اِس کا ذکر بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، یہاں ذمی کا خصوصیت سے ذکر فرمایا شاید اِس وہم کو دور کرنے کے لئے کہ کوئی سمجھے کہ وہ غیر مسلم جو ہوا تو اُس کا لقطہ ہمارے لئے حلال ہوگا، فرمایا نہیں، ایسے ہی مسلمان کی گری پڑی چیز بھی حلال نہیں، مگر ہاں جب معمولی چیز ہو جس کی مالک پروانہ کرے تو اُس میں گنجائش ہے، یہ سارا مسئلہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

مہمان کی مہمانی نہ کی جائے تو میزبانوں سے بقدر حق لے سکتا ہے:

فرمایا یہ مسئلہ بھی تو قرآن مجید میں نہیں کہ اگر کوئی کسی کا مہمان بن جائے اور وہ مہمانی نہ کرے تو مہمان میزبان کے گھر سے اپنے حق کے بقدر خود لے سکتا ہے، تو سب حلال اور حرام اور جائز اور ناجائز قرآن مجید میں بیان نہیں ہوا، نبی کریم ﷺ کی حدیث بھی قرآن مجید کی طرح ایسے احکامِ شریعت کے لئے مستقل حجت ہے۔

حلت وحرمت وغیرہ احکام میں حدیث بھی مستقل حجت ہے:

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی اِس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے فرامین بھی شریعت میں مستقل حجت ہیں، نہ یہ کہ اُن سے صرف قرآن مجید میں مذکور احکام ہی کی تبیین ہوسکتی ہے، زائد حکم حاصل نہیں ہوسکتا، قرآن مجید میں بار بار آیا: **وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ** ، اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول کا بھی حکم مانو، اگر رسول صرف وہی حکم ہی دیتے ہیں جو قرآن مجید میں ہے تو وہ تو رسول کا حکم ہی نہیں وہ تو اللہ کا حکم ہے تو پھر "**اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ**" پر عمل ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ رسول کے حکم کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

خبر واحد اور عقیدہ:

دوسری بات غامدی صاحب نے کی کہ اخبار آحاد سے نئے عقیدہ کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا، اس بارے میں غامدی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا زاہد الراشدی صاحب نے بہت اچھے انداز سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "مثلاً عقیدہ کا تعلق خالصتاً علم سے ہے اور جمہور امت کے نزدیک جو باتیں عقائد وایمانیات میں شامل ہیں اُن کی بنیاد صرف قرآن کریم پر نہیں ہے، بلکہ حدیث وسنّت کو بھی ایمانیات وعقائد کے تعین اور تعبیر وتشریح دونوں حوالوں سے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے ارشادات

ہمارے عقیدہ وایمان کا حصہ بنتے ہیں، اسی طرح جناب نبی اکرم ﷺ کے فرمودات بھی ایمان وعقیدہ کی بنیادو اساس ہیں، میں اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے دوواقعات کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جواس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ خیرالقرون میں عقیدہ کے تعیّن اورتعبیر دونوں میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کوبھی ماخذ کی حیثیت حاصل تھی، اوران دونوں کی وضاحت اوران کے صحیح مصداق کے تعین کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے رجوع کیا جاتا تھا،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عقیدہ کے ثبوت کے لئے حدیث (خبر واحد) پیش کرتے ہیں:

امام مسلم نے صحیح مسلم کی سب سے پہلی روایت میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ یحیی بن یعمر نے جوتابعین میں سے ہیں بیان کیا ہے کہ جب بصرہ میں معبد جہنی نے تقدیر کے انکار کی بات کی تو میں اورحمید بن عبدالرحمٰن حج یا عمرہ کے لئے روانہ ہوئے اورہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں صحابہ کرام میں سے کسی بزرگ کی زیارت نصیب ہوگئی تو ہم اُن سے معبد جہنی کے اس عقیدہ کے بارے میں دریافت کریں گے ،ہمیں اس سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر کی زیارت کا شرف حاصل ہوگیا،ہم نے اُن سے عرض کیا کہ ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ہیں جوقرآن کریم بھی پڑھتے ہیں اورعلم کی باتیں بھی خوب کرتے ہیں،لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیزنہیں ہے،اور دنیا میں جوکام بھی ہوتا ہے نئے سرے سے ہوتا ہے (یعنی پہلے سے اُس کے بارے میں کچھ لکھا ہوانہیں ہے) حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب تم واپس جاکر ایسے لوگوں سے ملوتو اُنہیں میری طرف سے کہہ دو کہ میں اُن سے برأت کا اعلان کرتا ہوں،اوروہ جب تک تقدیر پرایمان نہیں لائیں گے،اگر احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کردیں تووہ اُن سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا،اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر نے جناب نبی اکرم ﷺ کی ایک طویل حدیث سنائی جس میں ایمانیات کا ذکر کرتے ہوئے جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا"**وتؤمن بالقدر خيره وشره**" تم تقدیر پربھی ایمان لاؤ کہ خیروشر سب کچھ اللہ تعالی کے علم کے مطابق ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ عقیدہ کے ثبوت کے لئے حدیث پیش کرتے ہیں:

دوسرا واقعہ بھی امام مسلم نے ہی کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اوراُس میں ایک اورتابعی بزرگ حضرت یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ میں خوارج کے اس عقیدہ سے متأثر تھا کہ جوشخص ایک بار جہنم میں چلا گیا وہ وہاں سے کبھی نہیں نکلے گا،اورشفاعت کوئی چیزنہیں ہے،مگر مجھے ایک مرتبہ بہت سے دوستوں کے ساتھ حج کے لئے جانے کا موقع ملا تو مدینہ منورہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو مسجد نبوی میں دیکھا کہ وہ ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے لوگوں کو وعظ فرمارہے تھے،انہوں نے اپنی گفتگو میں کچھ لوگوں کے جہنم سے نکل کر جنّت میں جانے کا ذکر کیا،تو میں نے سوال کردیا کہ حضرت قرآن کریم تو کہتا ہے "**رَبَّنَا اِنَّکَ**

مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ " اے اللہ جس کو تو نے جہنم میں داخل کیا تو اُسے رسوا کر دیا، اور قرآن کریم میں ہے " کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا اُعِیْدُوْا فِیْھَا" جہنم سے جب بھی لوگ نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اُسی میں لوٹا دیئے جائیں گے، تو اُس کے بعد آپ حضرات یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ شفاعت ہوگی، اور کچھ لوگوں کو جہنم میں سے نکالا جائے گا؟ حضرت جابر نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، تو فرمایا کہ کیا اُس میں جناب نبی اکرم ﷺ کے لئے مقامِ محمود کا تذکرہ بھی پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں پڑھا ہے، تو اُس حضرت جابر بن عبداللہ نے ایک طویل حدیث سنائی جس میں جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن "مقام محمود" میں کھڑے ہوکر شفاعت کریں گے، اور اُن کی شفاعت پر بے شمار لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنّت میں داخل کیا جائے گا، جب کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ حضرت جابر سے یہ حدیث سُن کر ہم نے آپس میں گفتگو کی اور ایک دوسرے سے کہا کہ تمہارے لئے بربادی ہو کیا یہ بزرگ جناب نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے جھوٹ بول رہے ہیں؟ چنانچہ ایک شخص کے سوا ہم سب رفقاء نے اپنے سابقہ عقیدے سے رجوع کرلیا۔

اِن دونوں واقعات کو ایک بار پھر پڑھ لیجیے، بلکہ ہم نے تو اُنہیں مختصراً نقل کیا ہے ہو سکے تو صحیح مسلم میں اُنہیں براہ راست بھی دیکھ لیجیے، اِن میں عقیدہ کی بات ہے اور ایک واقعہ میں تو اشکال کے لئے قرآن کریم کی دو آیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے، عقیدہ کی وضاحت کے لئے صحابہ کرام سے رجوع کیا گیا ہے، دونوں بزرگوں یعنی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر بن عبداللہ نے عقیدہ کی وضاحت کے لئے حدیث نبوی پیش کی ہے، اور پوچھنے والوں نے اسے کافی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدہ کو درست کرلیا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اسلوب یہی ہے کہ وہ دین کے حوالے سے سنّت وحدیث کو ماخذ و معیار سمجھتے ہیں، جب کہ اُس کی وضاحت کے لئے صحابہ کرام سے رجوع کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں، چنانچہ عقائد کے باب میں جو رسالے عقائد کے بحث ومباحثہ کے آغاز میں لکھے گئے ہیں، ان میں حضرت امام ابوحنیفہ کا رسالہ "**الفقہ الاکبر**" امام محمد کا رسالہ "**عقیدۃ الشیبانی**" امام احمد بن حنبل کا رسالہ "**العقیدۃ**" اور امام طحاوی کا رسالہ "**العقیدۃ الطحاویۃ**" معروف رسائل ہیں، ان میں جتنے عقائد کا ذکر ہے، اور جن پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے، ان میں سے بیشتر کا ماخذ حدیث نبوی ہے۔ الخ [الشریعہ، جون ۲۰۰۸ء صفحہ ۸ تا ۱۱]

ذہن میں رہے کہ ثبوت اور دلیل کے لحاظ سے عقائد کی دو قسمیں ہیں، ظنی عقائد، اور قطعی عقائد، قطعی عقائد سے مراد وہ ہیں جو قطعی دلیل یا دلائل سے ثابت ہیں، جیسے توحید، رسالت، قیامت وغیرہ جیسے دوسرے اصولی عقائد ونظریات، ایسے عقائد کا انکار کفر ہے، اکابر اسلاف کی تحریرات میں جہاں یہ ذکر آتا ہے

کہ عقیدہ کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی ضروری ہے، خبر واحد عقیدہ کے باب میں حجت نہیں، اُسے مراد ایسے ہی عقائد ہیں۔

ظنی عقائد سے مراد وہ عقائد جن کا ثبوت ایسی دلیل یا دلائل سے ہے کہ غلبہ ظن اُن کے صحیح ہونے کا ہے، جیسے اصولی عقائد ونظریات سے کم درجہ عقائد، ایسے عقائد کا انکار سخت گمراہی ہے، مگر کفر نہیں کہا گیا، ظنی دلیل سے مراد خبر واحد یا خبر مشہور، یا کسی مسئلہ پر قرآنی آیت ظنی الدلالہ ہے، اور قطعی دلیل سے مراد قرآن مجید کی آیت جو کسی مسئلہ پر قطعی الدلالہ ہو، یا نبی کریم ﷺ کی حدیث متواتر، حدیث متواتر سے مراد وہ بھی ہے جس کا متن متواتر ہو، مگر ایسی حدیث کا وجود تعداد میں کم پایا جاتا ہے، اور وہ بھی حدیث متواتر ہے جس کا متن تو تواتر سے ثابت نہ ہو، مگر مضمون ایسا ہو جو ہر دور میں بہت زیادہ تعداد میں راویوں کی روایات متعددہ سے ثابت ہو، جیسے نبی کریم ﷺ کا صاحبِ معجزہ ہونا، پانچ نمازیں، نمازوں کی فرض رکعات وغیرہ۔

امام ابوبکر احمد بن الحسین بیہقی (م ۴۵۸ھ) اِسی تواتر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھٰذا احد وجوہ التواتر الذی یثبت بھا الحجۃ وینقطع بھا العذر (الاعتقاد ۱۵۸)

یہ بھی تواتر کی اُن صورتوں میں سے ایک ہے جس کے ساتھ حجت ثابت ہو جاتی ہے، اور جس کے ذریعے (جہالت کا) عذر ختم ہو جاتا ہے۔

شرعی احکام کا بہت بڑا حصہ ایسے ہی تواتر سے ثابت ہے۔

اور ایک تواتر وہ بھی ہے جس کو تواتر طبقہ کہتے ہیں کہ دورِ اول سے ہمارے دور تک سب مسلمان ایک کام کرتے آرہے ہیں، کوئی بات عقیدۃً یا عملاً تسلیم کرتے آرہے ہیں، اور وہ بحیثیت دین پہلے والے زمانہ کے لوگوں سے بعد کے زمانہ والے حاصل کرتے آرہے ہیں، قرآن مجید کا تواتر ایسا ہی ہے، اور قراآت متواترہ کا تواتر بھی ایسا ہی ہے، ایسے تواتر کے لئے تقریباً نہ سندات لکھی ملتی ہیں، نہ متون، اور بغیر سندات ومتون مسلسل چلا آرہا ہوتا ہے، اِن سب متواتر طریقوں سے جو کچھ ہم تک آیا اُس پر ایمان فرض ہے، انکار کفر ہے، بلکہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ یہاں تک بھی فرماتے ہیں:

اِن متواترات میں تاویل کرنا یا مطلب بگاڑنا (بھی) کفر صریح ہے۔

[ملفوظات محدث کشمیری: ۵۷، اکفار الملحدین: ۱۱]

غامدی صاحب اپنے اِسی نظریہ کے سبب متعدد اخبار آحاد سے ثابت بہت سے عقائد کے انکاری بن گئے جب کہ وہ آحاد تواتر قدر مشترک کے درجہ کو بھی پہنچی ہوئی ہیں، ظہور مہدی اور حضرت عیسی علیہ السلام کی حیات اور آسمان سے نزول اور قراآت متواترہ کا بھی انکار کردیا، وغیرہ، جن کا ذکر فرصت ملی تو آگے

کردیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

اِن کی منطق اختیار کرتے ہوئے ہم بھی عرض کرسکتے ہیں کہ جناب کی طرح (فرض کرو) ہم روایتِ حفص اور موجودہ قرآن مجید کا انکار کردیتے ہیں کہ آپ جو روایتِ حفص کے تواتر کے قائل ہیں نبی کریم ﷺ کے دور سے دورِ محدثین تک ہی اِس کا تواتر سندات سے ثابت کردیجیے؟

حدیث کی تحقیق میں سند کی بحث:

بات چلی تھی اخبار آحاد یعنی حدیث کے متعلق غامدی صاحب کے نظریہ کی، مزید غامدی صاحب کی سینیے، کہتے ہیں:

”نبی ﷺ کی نسبت سے جو چیز کسی بات کو حدیث کے درجے تک پہنچاتی ہے وہ اُس کی سند ہی ہے ، راویوں کی عدالت ، اُن کا ضبط ، اور سلسلہ روایت کا اتصال یہی تین چیزیں ہیں جو اُس مواد کی روشنی میں جو ائمہ رجال نے بڑی محنت سے اس باب میں فراہم کردیا ہے، سند کے علل کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے دِقت نظر کے ساتھ دیکھنی چاہییں ، سند کی تحقیق کے لئے یہ معیار محدثین نے قائم کیا ہے، اور ایسا قطعی ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔“ (میزان صفحہ ۶۱)

جناب عالی! کچھ درجہ میں تو یہ باتیں درست ہیں لیکن اِس معیار کو بالکل قطعی کہنا محل نظر ہے، کیوں کہ:

۱)......راویوں کے سلسلہ میں بہت دفعہ محدثین کا اختلاف ہوجاتا ہے، ایک کے نزدیک ثقہ ہے تو دوسرے کے نزدیک ضعیف ہے، راوی مدلّس ہے تو کسی کے نزدیک تدلیس مضر نہیں اور کسی کے نزدیک مضر ہے، پھر جرح وتعدیل کرنے والا کوئی معتدل ہے تو کوئی متشدد، کوئی متعنّت ، کوئی ہم عصر ہونے کے سبب باہمی معاصرت کے سبب جرح کر ڈالتا ہے ، تو کوئی انصاف کرتا ہے، کسی کی جرح صحیح سند سے ثابت نہیں ہوتی ، تو معیار قطعی کیسے ٹھہرے گا؟

۲)......پھر بعض اوقات سند ضعیف ہوتی ہے لیکن متن صحیح ہوتا ہے اور کبھی اِس کے برعکس ہوتا ہے تو قطعیت کیسے مانی جائے گی؟ آخر جھوٹا بھی تو سچ بول سکتا ہے اور سچے سے بھی تو غلطی ہوسکتی ہے پھر قطعیت کہاں ہوئی؟

۳)......جن محدثین نے اتنی محنت کی ہے، اور ایسا معیار قائم کیا ہے جو آپ کے بقول بے حد قطعی ہے، تو کسی حدیث کی صحت وضعف کے حکم میں صحیح رہنمائی نہیں کرسکتے؟ اور کسی حدیث سے متعلق اُن کے فیصلوں کو جناب کیوں قبول نہیں کرتے؟ کیا اُنہوں نے یہ قطعی معیار تو قائم کیا لیکن خود اِس معیار پر پرکھ کر

امت کو حدیثوں سے متعلق حکم نہیں بتادیا؟ اور اگر بتادیا تو وہ کیوں قطعی نہیں ہے؟ مجھے اور آپ کو اُن کے حدیث پر لگائے ہوئے حکم کو چھوڑ کر راویوں کی تحقیق و چھان بین کر کے نئے سرے سے حدیث کی تحقیق کی کیوں ضرورت ہے؟ وہ محدثین اس بارے میں قطعی حکم اور صحیح فیصلہ کیوں نہیں بتا سکتے؟ آپ کو اُن کی ایک محنت پر اعتماد ہے تو دوسری محنت پر بد اعتمادی کیوں ہے؟

کہتے ہیں:

''اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس معیار کا اطلاق آپ سے متعلق ہر روایت پر بغیر کسی رورعایت کے اورنہایت بے لاگ طریقے پر کیا جائے، اور صرف وہی روایتیں قابل اعتناء سمجھی جائیں جو اس پر ہر لحاظ سے پوری اترتی ہوں، ان کے علاوہ کسی چیز کو بھی خواہ وہ حدیث کی امہات کتب بخاری، مسلم، اور موطا امام مالک ہی میں کیوں نہ بیان ہوئی ہو، آپ کی نسبت سے ہرگز کوئی اہمیت نہ دی جائے'' (میزان صفحہ ۶۲)

جناب! جب خود یہ معیار ہی قطعی نہیں ہے، تو اِس کی رعایت کیوں کرنی ہے؟ کیا اِسی معیار کے کندھے پر بندوق رکھ کر صحیح حدیث کو رد کرنے کی کوشش کرنی ہے؟ تو پھر معیار ہوتا کیا ہے؟ بس جس حدیث کو نفس نہ مانے اُسے رد کر دیجیے، آپ سے کون پوچھتا ہے؟

کہتے ہیں: ''جب اس معیار پر حدیث صحیح فٹ نہ ہو تو چاہے بخاری مسلم اور موطا امام مالک کی حدیث کیوں نہ ہو اُس کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے۔''

جی! کیا اس لئے کہ اِن حضرات نے احادیث کے بہت بڑے ذخیرہ میں سے صحیح احادیث کا انتخاب کرنے کی کوشش تو کی لیکن اِن بیچاروں سے بھی اِس معیار پر حدیثیں پرکھنا پوری طرح نہیں آیا، اب اصل سُنیارآئے ہیں جو سونے اور کھوٹ کو اِن حضرات سے بڑھ کر پرکھ سکتے ہیں، **سبحان اللہ!** ایسے ہوتے ہیں ناخلف جنہیں اپنے اسلاف کی پرکھ پر تو اعتماد نہیں، لیکن اُن کے ترازو (مذکور معیار) کو لئے پھرتے ہیں.

صحیح بخاری اور مسلم کی سب احادیث صحیح ہیں:

حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

لم اخرج فی ھذاالکتاب الاصحیحاً، وماترکت من صحیح اکثر، ماادخلتُ فی کتابی الاماصح وترکت من الصحاح لحال الطول. [منهاج المحدثین: ۳۱۷] میں نے اِس کتاب میں صرف صحیح احادیث درج کیں، اور جو صحیح حدیثیں چھوڑی ہیں وہ اِس سے زیادہ ہیں، (اور) میں نے کتاب میں وہی درج کیا جو صحیح ہے، اور طویل ہونے کے سبب بہت سی صحیح احادیث چھوڑ دیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لیس کل شیء عندی صحیح وضعتہٗ ھاھنا، انما وضعتُ ھاھنا ما اجمعوا علیہ.
[**منہاج المحدثین**: ۳۱۸] میرے پاس جتنی صحیح احادیث تھیں وہ کُل اِس کتاب میں درج نہیں کیں، اِس میں تو وہی درج کی ہیں جن پر محدثین نے اجماع کیا ہے۔

محدثین اور شارحینِ حدیث کی تصریحات کے مطابق بخاری شریف کی مسند احادیث سب صحیح ہیں کسی حدیث پر شبہ ہوا تو شارحین جوابات لکھ چکے ہیں، بالخصوص علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری کے مقدمہ میں اور فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور علامہ عینی عمدۃ القاری میں ایسے شبہات پر بحث فرما چکے ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بخاری شریف کی ایک حدیث پر کلام کو رد کرتے ہوئے فرما رہے ہیں:

فھذا ینافی ما علیہ العلماء من الحکم بتصحیح جمیع ما اوردہ البخاری فی کتابہ ... ... وھذا الذی قالہ تخیل فاسد (فتح الباری ۷/ ۴۲۵ کتاب مناقب الانصار باب القسامۃ فی الجاھلیۃ) بخاری کی روایت پر طعن علماء کے اس اتفاق کے خلاف ہے کہ بخاری کی سب مروی احادیث صحیح ہیں، لہٰذا تشکیک پیدا کرنے کا قول تخیل فاسد ہے (قائل کی دماغ خرابی ہے)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ائمہ حدیث برایں امر اتفاق کردہ اند کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری باز صحیح مسلم است وبریں امرھم اتفاق کردہ اند کہ جملہ رواۃ صحیحین قابل قبول ومستجمع شرائط قبول ھستند الخ (مجموعۃ الفتاوی برحاشیہ خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۶۰. ۶۱) محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کتابُ اللہ کے بعد سب کتابوں سے اصح بخاری پھر مسلم ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم کے سب راوی قابل قبول ہیں جن میں قبول کرنے کی سب شرطیں موجود ہیں، صرف چند راویوں پر جو جرح کی گئی ہے شارحین حدیث خصوصاً علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں ان جرحوں کو رد کیا ہے:

امام اسماعیل بن کثیر شافعی (م) فرماتے ہیں:

پہلے پہل جس نے صحیح احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں، اور پھر اُن کے شاگرد ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوری اُن کے نقش قدم پر چلے، لہٰذا یہ دونوں کتابیں حدیث کی سب کتابوں سے اصح ہیں، اور بخاری مسلم پر راجح ہے۔[**الباعث الحثیث** :۲۸]

علامہ احمد محمد شاکر فرماتے ہیں:

الحق الذی لا مریۃ فیہ عند اھل العلم بالحدیث من المحققین انّ احادیث

الصحیحین صحیحة کلها،لیس فی واحدمنهاطعن او ضعف. [**مقدمة منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری**:۱/۱۹] وہ حق جس میں حدیث کے محققین اہل علم کے نزدیک شک نہیں یہ ہے کہ بخاری ومسلم کی سب کی سب احادیث صحیح ہیں، کسی ایک حدیث میں نہ طعن ہے نہ کمزوری ہے۔

قاضی محمد بن علی شوکانی(م۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

فقداجمع اهل هٰذاالشان انّ احادیث الصحیحین اواحدهما کلهامن المعلوم صدقهٔ المتلقی بالقبول المجمع علی ثبوتهٖ ،وعندهٰذه الاجماعات تندفع کل شبهة ویزول کل تشکیک.[**قطر الولی علی حدیث الولی**: ۲۱۸] اہل علم کا اجماع ہے کہ بخاری ومسلم دونوں کی احادیث ہوں یا ایک کی سب کی سچائی معلوم ہے، تلقی بالقبول حاصل ہے، اُن کے (صحیح) ثابت ہونے پر اجماع ہے، اوران اجماعات کے وقت تو ہر شبہ دوراور ہر شک ختم ہوجاتا ہے۔

امام الحرمین ابوالمعالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جو شخص یہ قسم اٹھالے کہ بخاری ومسلم کی سب احادیث صحیح ہیں اگرسب صحیح نہ ہوں تو اُس کی بیوی کو طلاق ہے، تو اِس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی کیوں کہ اِن دونوں کتابوں میں جواحادیث ہیں اُن کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔‘‘[**النکت علی مقدمة ابن الصلاح للزرکشی**:۱/۲۵۱]

امام ابوعمرو بن الصلاح فرماتے ہیں:

وہ سب احادیث جن کے متعلق امام مسلم نے کتاب میں صحیح ہونے کا حکم لگایا اُن کی صحت یقینی ہے، ایسے ہی جن پر امام بخاری نے اپنی کتاب میں صحیح ہونے کا حکم لگایا کیوں کہ دونوں کتابوں کو امت کی تلقی بالقبول حاصل ہوگئی ہے، سوائے اس کے کہ ایسے شخص نے اختلاف کیا جس کا اجماع کے مقابلہ میں نہ اختلاف قابل توجہ ہے نہ اتفاق۔[**شرح مسلم للنووی**:۱/۱۹]

امام ابواسحاق اسفرائنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اهل الصنعة مجمعون علی انّ الاخبار التی اشتمل علیهاالصحیحان مقطوع بصحة اصولهاومتونها،ولایحصل الخلاف بهابحال ،وان حصل فذاک اختلاف فی طرقهاورواتها.[**مرقات المفاتیح لملاعلی القاری** :۱/۴۸] اہل فن کا اِس پر اجماع ہے کہ بخاری ومسلم کی سب حدیثوں کے اصول اورمتون کی صحت قطعی (یقینی) ہے، اوراس میں کسی طرح اختلاف نہیں ہوسکتا، اوراگر کوئی اختلاف ہوا تو وہ اختلاف محض سندوں اورراویوں کا ہے۔

امام عراقی کی **الفیة الحدیث** اور علامہ سخاوی کی **فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث** کی عبارت ہے:(**واقطع بصحة لماقداسنداً)ای ان الذی اورده البخاری ومسل مجتمعین**

ومنفردین باسنادیھما المتصل .....مقطوع بصحتہٖ الخ. دونوں نے یعنی بخاری اور مسلم نے مل کر یا ہر ایک نے الگ الگ جو احادیث اپنی متصل سندوں سے نقل کی ہیں اُن کے صحیح ہونے کا یقین کر، کہ ایسی حدیث کی صحت یقینی ہے۔

علامہ ملا علی قاری حنفی (م۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

ثم اعلم انّ جمعامن المحدثین وغیرھم ذھبوا الی انّ جمیع ماوقع مسنداً فی الصحیحین او احدھما من الاحادیث یقطع بصحتہٖ لتلقی الامۃ لہٗ بالقبول من حیث الصحۃ و کذاالعمل مالم یمنع منہ نحو نسخ او تخصیص.[مرقات شرح المشکوۃ:۱/۴۸]

پھر جانو کہ محدثین وغیرہم کی بڑی جماعت اس طرف گئے ہیں کہ بخاری ومسلم دونوں میں یا ایک میں جو بھی مسند احادیث ہیں اُن کی صحت یقینی ہے کیوں کہ امت نے صحیح ہونے کے اعتبار سے اُن کو ہاتھوں ہاتھ قبول کر لیا ایسے ہی عمل میں بھی لیا ہے جب تک کوئی رکاوٹ مثلاً نسخ یا تخصیص کی رکاوٹ نہیں آئی۔

الشیخ محمد بن صالح بن محمد بن **العثیمین** رحمہ اللہ (۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

اتفق العلماء علی انّ صحیحی البخاری ومسلم اصح الکتب المصنفۃ فی الحدیث فیماذکراہ متصلاً ،قال شیخ الاسلام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ لایتفقان علی حدیث الایکون صحیحاًلاریب فیہ ،وقال جمہورمتونھمایعلم اھل الحدیث علماقطعیاًانّ النبی ﷺ قالھا.[مصطلح الحدیث: ۴۹] علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث میں لکھی ہوئی کتابوں میں بخاری ومسلم اُن احادیث میں سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں جو احادیث متصل سند سے ذکر کریں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بخاری ومسلم جس حدیث پر بھی متفق ہوئے ہیں وہ (پوری طرح) صحیح ہوتی ہے اِس میں کوئی شک نہیں ہے، جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم کے جو متون ہیں محدثین علم قطعی (یقین) سے جانتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ہی فرمائے ہوئے ارشادات ہیں۔(جاری ہے۔)

اعتذار

(۱)......مجلّہ ''صفدر'' کے گزشتہ شمارے [ستمبر، اکتوبر ۲۰۲۰ء] کے اداریہ میں دو جگہ حضرت ابوالعاصؓ کے بجائے غلطی سے عمروؓ بن العاص لکھا گیا ہے۔ درست ابوالعاص ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔ جناب ازہر حسین حقانی صاحب نے اِس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے، ادارہ اُن کا شکر گزار ہے۔

(۲)......مولانا مجیب الرحمٰن کے قسط وار مضمون ''غامدی اجتہادات پر ایک نظر'' میں ''حدیث اور غامدی نظریہ'' نامی عنوان سے پہلے دو تین صفحات شامل اشاعت ہونے سے رہ گئے ہیں، ادارہ مضمون نگار اور قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ اِن شاء اللہ مناسب موقع پر شامل اشاعت کر دیئے جائیں گے۔

مولانا خادم حسین بدر قسط:۴

کتاب ”ذکر اللہ کے حلقے“ کا تحقیقی جائزہ

(۷)......ساتواں اصول: سنت و بدعت ہونے میں اختلاف ہو تو واجب الترک ہے:

فخر المحدثین خلیل الملۃ والدین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”پس ترغیب مستحب کے واسطے احداث بدعت کس عاقل متدین کا کام ہے اور کون عالم ذی فہم اس کو جائز کہہ سکتا ہے؟ ہاں جاہل جو چاہے کہے، خود فقہاء لکھتے ہیں: اگر کسی سنت کی ادا سے بدعت لازم آوے تو سنت بھی ترک کر دیوے....پس غور کرو کہ فقہاء تو اتفاقاً وجزماً بدعت کے اندیشہ سے سنت مؤکدہ کو ترک کراتے ہیں اور واجب میں بھی بعض ترک واجب مرجح بتلاتے ہیں اور مؤلف کی یہ جرأت کہ امر مندوب کے واسطے علماء پر تہمت ایجاد و بدعت کی لگاتا ہے۔[براہین قاطعہ:۱۴۱]

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں:

”سنت تو خیر پھر سنت ہے اگر کوئی چیز بدعت اور حضرات فقہاء کرام کے اصطلاحی واجب کے درمیان بھی دائر ہو تو اس کو بھی ترک کرنا لازم اور ضروری ہے، کیونکہ اس سے فی الجملہ بدعت کی ترویج اور اشاعت کا اندیشہ ہے اور بدعت اتنی قبیح ترین چیز ہے کہ شریعت مطہرہ اس کے وجود نامسعود تک کو گوارا نہیں کرتی چہ جائیکہ اس کی نشر و اشاعت کے ذرائع اور وسائل بہم پہنچائے، یہی وجہ ہے کہ بدعت کو ختم کرنے کے لیے مستحب، سنت اور حتیٰ کہ واجب تک کی قربانی بھی گوارا کر لی جائے گی مگر بدعت کو ہرگز ہرگز فروغ نہ دیا جائے گا۔اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص دانستہ بدعت آلودہ ہونا چاہے تو اس کی مرضی، ہمارے لئے سنت کافی ہے۔الخ“[راہ سنت:۱۵۸]

قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ لکھتے ہیں: اگر منکر کی تائید غیر منکر سے ہو تو وہ بھی سزاوار ترک ہے۔[تذکرۃ الرشید:۱۳۰] دوسری جگہ لکھتے ہیں: پس یہ فعل مندوب آپ کا جب مخوی خلق ہوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جاوے گا۔[تذکرۃ الرشید:۱/۱۲۸]

قارئین ذی وقار مروجہ مجالس کا بھی یہی حال ہے۔اگر قائلین نہ مانیں تو اتنی بات تو ضرور مانتے ہیں کہ یہ امر مانعین کے نزدیک تو درست نہیں اور قائلین بھی اتنی بات سے انکار نہ کریں گے کہ یہ مروجہ مجالس بدعات کی تقویت اور تائید اور مشروعیت کا پورا پورا کام کر رہی ہیں۔بہر حال ہم تو انہیں درست نہیں جانتے اور ایسے ہی امر کے لیے اصول فقہاء ہے کہ جس معاملہ کے سنت و بدعت ہونے میں شک ہو اسے ترک ہی کیا

جائے گا نہ کہ اپنایا جائے گا۔

امام اہل سنت نے اسی گفتگو کے آخر میں یوں لکھا ہے:

قارئین اگر آپ کو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ سے لگاؤ اور جناب نبی کریم ﷺ سے عشق اور محبت ہے تو اس کا واحد طریق یہ ہے کہ سنت کی اتباع کریں اور حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے نقش قدم پر چلیں۔ وہی عقائد و اعمال اختیار کریں جو انہوں نے اختیار کیے اور ان تمام عقائد و اعمال سے احتراز کریں جن سے انہوں نے احتراز کیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول (جو درحقیقت مرفوع حدیث میں ہے) کے مطابق مسجدوں میں بھی اجتماع ہو اور ایمان سے بھی محرومی ہو۔ ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ مسجدوں میں اکٹھے تو ہوں گے لیکن ان میں سے ایک بھی مومن نہ ہو گا۔ الخ [راہ سنت: ۱۵۹]

حکیم الامت مجدد دین وملت الشاہ اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل اس کے حق میں مباح نہیں رہتا۔ جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہو گا تو خود اس عالم کے لیے بھی منع ہو جائے گا۔ [بیان القرآن: ۱/۵۷] مباح جب حرام کا سبب بن جاوے وہ حرام ہو جاتا ہے۔ [بیان القرآن: ۱/۱۱۹، بحوالہ رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب پر تحقیقی نظر: ۳۵]

(۸)......آٹھواں اُصول: ہر تعامل حجت نہیں۔

ایک اُصول تعامل کے حجت ہونے نہ ہونے کے حوالے سے ہے جس میں تفصیل ہے:

فخر المحدثین خلیل الملۃ والدین حضرت مولنا خلیل احمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں: تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا، البتہ قرون ثلاثہ کا تعامل حجت ہوتا ہے۔ [براہین قاطعہ: ۵۶] اسی کو فقیہ العصر مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ نے بھی اپنی تحقیقی نظر میں نقل کیا ہے۔

قطب الارشاد فقیہ النفس حضرت مولنا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: افعال و اقوال بزرگان سے ندب و جواز ثابت نہیں ہوتا، جب تک کوئی دلیل شرعی نہ ہو، تو ایسی صورت میں ہرگز ندب وغیرہ کا ثبوت نہیں۔ [براہین قاطعہ: ۱۴۸] نوٹ حضرت کا ایک فتویٰ ردمیلاد مروجہ اس میں درج ہے، اس میں سے یہ اقتباس ہم نے لیا ہے۔

حضرت سہارنپوریؒ لکھتے ہیں: نصوص کے مقابلہ میں کسی کا قول قابل اعتبار و التفات کے نہیں ہوتا۔ پس شمار اسماء علماء کا کرنا محض لاحاصل ہے۔ [براہین قاطعہ: ۵۹]

حضرت آگے لکھتے ہیں: اور حاضر ہونے سے مشائخ اور علماء کے کچھ حجت جواز کی نہ ہوئی اگر

کروڑوں علماء بھی فتویٰ دیویں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں۔ اگر کچھ بھی علم وعقل ہوتو ظاہر ہے پس قول سبط ابن جوزی کا کہ **یحضرہ عندہ فی المولد اعیان العلماء و الصوفیہ** بمقابلہ نصوص کے ہرگز ملتفت نہیں۔ اور تمام بلاد میں اشتہار اس کا کوئی دلیل شرعی نہیں۔ صلوٰۃ لیلۃ البرأۃ اور رَغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی اور بدعت ہی رہی۔ پس اشتہار امر غیر مشروع کا موجب جواز کا نہیں ہوتا۔ پس سخاوی کے اس قول میں کوئی حجت شرعیہ نہیں۔

آگے لکھتے ہیں: جو ایک دو عالم موافق نصوص شرعیہ کے فرماوے اور اس کی تمام دنیا مخالف ہوکر کوئی بات خلاف نصوص اختیار کرے تو وہ ایک دو ہی عالم مظفر ومنصور اور عند اللہ مقبول ہوویں گے۔ قال **رسول اللہ ﷺ لا یزال طائفہ امتی علی الحق منصورین لا یضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ**۔ طائفہ خود قطعہ شے کا ہوتا ہے اور قلت پر دلالت کرتا ہے۔ پس خود ارشاد فخر عالم ہے کہ جو موافق کتاب وسنت کے کہے وہ طائفہ قلیلہ اگرچہ رجل واحد ہی ہو، وہ علی الحق اور اس کے مخالف تمام دنیا بھی ہوتو مردود ہے۔ اور یہاں خود مبرہن ہولیا کہ یہ مجلس مروجہ ادلہ شرعیہ کے خلاف ہے۔ ادلہ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہے۔ **فماذ بعد الحق الا الضلال**۔ اب مؤلف ممالک کی شمار کرکے اپنی رام کہانی لکھی جاوے، بندہ احقر پہلے عرض کرچکا ہے کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علماء کرتے رہے اور یہ بشرط ثبوت کوئی حجت شرعیہ نہیں حجت وہ ہے کہ ادلہ اربعہ سے پیدا ہوئے۔ [براہین قاطعہ: ۱۶۵]

حکیم الامت مجدد دین وملت الشاہ اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ کثرت سے علماء جواز کی طرف ہیں، جواب یہ ہے۔ اوّل تو کسی نے دنیا بھر کے علماء کی شماری نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ جس خرابی کی وجہ سے ممانعت کی جاتی ہے، اس خرابی کو کون سے علماء کثیر بلکہ قلیل نے جائز کیا ہے۔ فتویٰ تو استفتاء کے تابع ہے۔ مستفتیٰ اپنا عیب کب کھولتا ہے، بلکہ ہر طرح اپنی خوش اعتقادی کو جتلا کر پوچھتا ہے۔ (اصلاح الرسوم: ۱۴۳)

اس سے بہت سی وضاحت مل جاتی ہے کہ جو بعض حضرات فرماتے ہیں فلاں جگہ مجلس ذکر ہوتی ہے، فلاں فلاں کراتے ہیں، فلاں علماء کرارہے ہیں وغیرہ کہ یہ کوئی دلیل نہیں۔

(۹)......نواں اُصول:

قطب الارشاد فقیہ النفس حضرت مولنا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: عوام علماء کو جو جرأت ارتکاب بدعت کی ہوئی تو کلام اہل حق کے عدم فہم سے ہوئی۔ [تذکرۃ الرشید: ۱/۱۳۵]

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگ اکابر کی کتب کو سمجھتے نہیں، لہٰذا مسئلہ الٹ کر بیٹھتے ہیں۔ مثال کے طور پر امداد الفتاویٰ [۵/۱۶۶،] میں ایک فتویٰ موجود ہے جس کو بعض علماء اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

حالاں کہ یہ تو غور وفکر کر لینا چاہیے تھا کہ یہ فتویٰ ۱۳۰۴ھ کا ہے اور اس دور میں حکیم الامتؒ میلاد شریف میں جاتے تھے۔ اور ۱۳۱۵ھ میں قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کے سمجھانے پر رک گئے۔ تو اس دور کے فتویٰ کو جس دور میں حکیم الامت امر مستحب کے لیے تداعی اور اہتمام کی گنجائش سمجھتے تھے اور خود فرماتے بھی ہیں۔

میں مسائل اختلافیہ میں اہل حق اور اہل بدعت کے متعلق باوجود صحت عقیدہ کے (الحمدللہ) ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے۔ الخ

اور آگے لکھتے ہیں:

غرض حضرت قدس اللہ سرہٗ (حضرت اقدس گنگوہیؒ) نے اس سب کے متعلق مولوی منصور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا۔ مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرت کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر متنبہ ہوگیا۔ لیکن زیادہ بصیرت کے لیے میں نے اس بارے میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی۔ چناں چہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں جو تذکرۃ الرشید [ج:۱] میں شائع ہوچکی ہیں۔ بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت وتحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہٖ تعالیٰ اطلاع ہوگئی۔ اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک باب عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا، مفتوح ہوگیا۔ [آپ بیتی ج ۶، ۲/ ۲۹۹، ۳۰۱]

اب بھی جو فتاویٰ جات اہل مجالس لیے کھڑے ہیں ان کے متعلق یہی عرض ہے کہ آپ حضرات ذرا نئے سرے سے غور وفکر فرمائیں۔ ویسے تو تمام اصول ہی اس مجلس مروجہ کے سمجھنے کے لیے اکسیر ہیں، میں چند ایک کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔

گذارش یہ ہے کہ بعض مشائخ طریقت نے علاج اور تعلیم کے لیے مجالس ذکر کی اجازت فرمائی اور کروائی بھی تھیں۔ مگر اس وقت اہل بدعت کا طرز عام نہ تھا، جیسے صلوٰۃ وسلام کو لوگ سمجھتے ہیں جدید چیزیں ہیں۔ یونہی اب مساجد میں اہل بدعت کے طرز مروجہ کی وجہ سے ہم ان مجالس کو تعلیماً یا علاجاً جائز قرار نہیں دے سکتے۔ کیوں کہ ایک تو مشابہت پائی جاتی ہے اور دوسری چیز ایک کی تائید اور تقویت ہے۔ اور ہم اصولوں اور صراحتاً وضاحت سے کہہ آئے ہیں کہ یہ مشابہت اور تقویت مستقل سبب ممانعت ہے۔

باقی مفاسد بھی موجود ہیں مثلاً ان کو موجب قربت سمجھنا، جہر مفرط کرنا، تداعی واہتمام واجتماع کرنا، ان کو ضروری سمجھنا، التزام واصرار کرنا وغیرہ یہ بھی اسباب ممانعت ہیں۔ اس لیے ان کو آج ترک ہی کرنا چاہیے ورنہ اہل بدعت کی بدعات کو آپ نہیں روک سکتے۔ کاش آپ لوگ براہین قاطعہ کو پڑھتے اور آپ کی آنکھیں کھل جاتیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ اکابر کے نقش قدم پر رہیں۔

(۱۰)......دسواں اصول:

یہ اصول بھی ذہن میں رہے کہ مجلس ذکر، اجتماعی ذکر جماعتی ذکر وغیرہ الفاظ موہوم ہیں، انکا یہی

مطلب نہیں کہ آواز سے آواز ملا کر ایک ہی ذکر سب کریں۔ بلکہ اس سے مراد پہلے حضرات کے نزدیک یہ تھا کہ وقت اور جگہ کے اعتبار سے تو ایک ہے، مگر ذکر اور آواز کے اعتبار سے مختلف ہے۔ کوئی نفی اثبات کر رہا ہے تو کوئی اسم ذات کا ذکر کر رہا ہے، کوئی پہلے شروع کر رہا ہے تو کوئی بعد میں۔ کسی کو کسی کے ذکر سے نہ علاقہ ہے، نہ توجہ اور نہ کام۔ تو یہ دیکھنے میں اجتماعی ہے، مگر حقیقت میں انفرادی۔ اس کی مثال شروع سے ملتی ہے کہ شریعت دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنے سے منع کرتی ہے۔ مگر جب صورۃً جمع کیا جائے تو پھر گنجائش ہے۔ یونہی ایک ذکر کو ایک آواز کے ساتھ تداعی والتزام وغیرہ قیودات کے ساتھ کیا جائے، تو اس کی گنجائش نہیں اور صرف صورتاً جمع کیا جائے تو اجازت ہے۔ ہمارے اس قول کی دلیل کہ انفرادی کو بھی اجتماعی کہہ دیا جاتا ہے صورت کی وجہ سے، دار العلوم دیوبند سے آنے والا فتوی ہے۔ چناں چہ اس میں ہے: اسلاف سے اجتماعی ذکر بطور علاج وتربیت ثابت ہے۔ اس طور پر کہ لوگ اپنا اپنا انفرادی ذکر کریں۔ لیکن یہ طریقہ کہ شیخ کے ادا کردہ کلمات کو مجمع دہرائے، ثابت نہیں۔ اس لیے یہ طریقہ صحیح نہیں۔

تو اجتماعی مجلس، جماعتی وغیرہ الفاظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ اختلافی ذکر ثابت ہو گیا۔ بلکہ یہ تو انفرادی ذکر ثابت ہو رہا ہے۔ ہماری گذارش اہل مجالس سے یہ ہے کہ آپ اپنی مروجہ اختلافی اور متنازعہ مجالس ذکر کا ثبوت لائیں اور موہوم الفاظ سے اجتناب فرمائیں۔

(۱۱)......گیارہویں بات:

یہ بات بھی مدنظر رہے کہ اکابر دیوبند کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے۔ کل تو ہم سب اکابر ہوں گے، ہرگز ایسی بات نہیں۔ اس عاجز وفقیر کو سلطان العلماء خالد محمود صاحب زید فضلہم (رحمہ اللہ) نے دیگر کئی علماء کی موجودگی میں فرمایا تھا کہ اکابر دیوبند وہاں تک ہیں، جن کے المہند علی المفند پر دستخط ہیں۔

اور یہی بات مجھے عارف باللہ مفتی عبدالقادر صاحبؒ، شیخ الحدیث دار العلوم کبیر والا کے ایک شاگرد حضرت مولانا محمد عمر صاحب ساکن پرواضلع ڈیرہ اسماعیل خان نے بھی بتلائی کہ مفتی صاحب فرماتے تھے کہ اکابر وہاں تک ہیں جن کے عربی والی المہند پر دستخط ہیں اور اس سے اوپر اوپر اور بس۔ تو شیخین دیوبند، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنی رحمہم اللہ وغیرہم حضرات تک یہ اکابر کا لفظ سجتا ہے۔

اکابر اہل سنت دیوبند میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو **العبرة ما قاله الاكثر** کا اصول ذہن میں رکھا جائے۔ مثلاً شیخ العرب والعجم حضرت مولنا سید حسین احمد مدنیؒ رمضان میں تہجد کی جماعت کے قائل ہیں، مگر ہمارے دیگر بلکہ تمام اکابر اس کی کراہت کے قائل ہیں۔ اسی طرح حضرت مدنی مسح علی الجوربین کی بھی ایک صورت کے قائل تھے، مگر مسلک دیوبند یہ نہیں۔

اسی طرح امام العصر حضرت کشمیریؒ تراویح کے مسئلے میں اپنی رائے جمہور سے ہٹ کر رکھتے ہیں، تو ہمارے لیے اکابر کے مسلک کو دیکھنا ہے۔

فقیہ العصر مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے تلمیذ مولانا مفتی شیر محمد علوی صاحب زید مجدہم فرمانے لگے: حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اور ایک غیر مقلد کا مناظرہ تھا۔ تو اس نے اپنی تائید میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ کو پیش کیا۔ تو انہوں نے فرمایا مولوی صاحب ہم امام اعظم ابوحنیفہؒ کی بات کے مقابلے میں امام شافعیؒ کی بات کو مرجوح سمجھتے ہیں۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کو پیش کرتے ہیں؟

دوسرا واقعہ انہوں نے سنایا کہ ہم نے اپنے استاد محترم مفتی جمیل احمد تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا، حضرت جمعہ کے بارے میں مفتی اعظم ہند مفتی عزیز الرحمٰن صاحب تو یوں فرماتے ہیں۔ تو وہ فرمانے لگے ہم ان سے بڑے اکابر کے اقوال سے استناد کرتے ہیں۔

تو اصولی بات یاد رہے کہ مسلک کو مسلک سمجھا جائے اور اگر اکابر میں سے کسی کی رائے خلاف ہو تو اس کو اختیار نہ کیا جائے اور انہیں معذور سمجھا جائے۔ نہ تقلید می کنم نہ تکفیر می کنم

انفرادی ذکر بالجہر:

انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کی یاد یقیناً بہت بڑی سعادت ہے۔ اور جہاں اجتماعی خدا کی یاد کا حکم ہے، تو وہاں اکٹھا ہونا جیسے نماز وغیرہ عبادات ہیں۔ یہ بھی بڑی سعادت ہے، بلکہ ایسے اجتماع سے بلا عذر پیچھے رہ جانا ہلاکت ہے۔

مگر لوگ فرق مراتب نہ کرنے سے خود بھی پریشان ہوئے ہیں اور امت مسلمہ کو بھی صحیح نظر سے نہیں دیکھتے۔ ہمارے دیار میں لوگ مختلف مزاجوں سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اپنے پیر طریقت کی بات کو حرف آخر جانتے ہیں، چاہے شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

حالاں کہ معصوم عن الخطا شخصیات تو انبیاء کرامؑ کی ذوات قدسیہ ہی ہیں۔ ویسے بھی آج تک ہم تو یہی پڑھتے سنتے آئے کہ صوفیاء کا قول وفعل حجت نہ باشد۔ چناں چہ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

’’حضرات صوفیاء کا عمل حلال وحرام ہونے میں سند نہیں ہے۔ کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ اور ان کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کردیں۔ اس جگہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے۔ نہ کہ حضرت ابوبکر شبلیؒ اور حضرت ابوالحسن نوریؒ کا عمل۔ الخ‘‘ [مکتوبات، دفتر اوّل، ح:۴، مکتوب نمبر:۲۶۶]

اس لیے ہمارے علماء نے صوفیاء کرام کی محبت وعقیدت والفت کے باوجود پائی جانے والی خامیوں کو بھی طشت از بام کیا ہے۔ القصہ انفرادی طور پر ذکر جہری کرنا شرائط کے ساتھ جائز ہے، مگر مروجہ

اجتماعی ذکر درست نہیں۔ ہاں اس کی تفصیل خیر الفتاوٰی میں **بالتفصیل** موجود ہے۔

مفتی عبدالستار صاحبؒ فرماتے ہیں:

''اجتماعی ذکر کی ایک شکل تو یہ ہے کہ سب ذاکرین قصداً آواز ملا کر ذکر کرنے کا التزام کریں یا ایک کہلائے اور باقی مجمع اس کے پیچھے اسی کلمہ کو دہرائے۔ جیسے بچوں کو گنتی یا پہاڑے یاد کرائے جاتے ہیں۔ اجتماعی ذکر کی یہ دونوں صورتیں محلِ کلام ہیں اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذاکرین ایک جگہ مجتمع ہوں اور سب اپنا اپنا کریں۔ کسی دوسرے کے ذکر کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوں۔ وقت اور محل کی وحدت کے اعتبار سے یہ اجتماعی ذکر ہے، لیکن نفسِ ذکر کے لحاظ سے انفرادی ہے، یہ درست ہے۔'' [خیر الفتاویٰ: ۲/۷۰۸، ۷۰۹]

ہمارا مفتی صاحبؒ کی بات سے اتفاق ہے جن کو وہ محل کلام سمجھتے ہیں۔ ہمارا ردوقدح بھی اسی پر ہے نہ کہ جو حقیقت میں انفرادی ہے اس پر۔

القصہ انفرادی طور پر جہراً ذکر کرنا، اس کی تفصیل یوں ہے کہ وہ ذکر اذکار شریعت نے ہی زور سے کہنے کا حکم دیا ہو۔ جیسے اذان واقامت وغیرہ تو اس کے کرنے میں کوئی اختلاف نہیں، باقی اذکار چند شرائط سے مشروط ہیں۔

۱۔ ذکر بالجہر سے کسی کو تکلیف نہ ہو، نہ سونے والے کو، مطالعہ کرنے والے کو، نمازی کو، کام کاج کرنے والے کو۔

۲۔ ذکر کی آواز اپنی حد میں رہے۔

۳۔ تعلیماً ہوں، یعنی کوئی پیر طریقت اپنے مریدین کو بتانے کے لیے خود کر کے دکھائے وغیرہ۔

۴۔ علاجاً ہوں، مثال کے طور پر پیر طریقت نے اذکار بتلائے تو اب مریدین کو زور سے کرنا بتلایا تو وہ اپنی اپنی نشست یا گھر وغیرہ میں الگ الگ اپنا اپنا ذکر جہری کرتے ہیں۔ تاکہ جو مقصود ہے وہ حاصل ہو سکے۔

۵۔ جہر کو ثواب اور قربت نہ سمجھا جائے۔

شرائط یا ماقبل والی بات کہ جن کو زور سے کہنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ یہ باتیں موجود نہ ہوں، ساری یا بعض تو پھر زور سے ذکر کرنا جائز نہیں۔

یہ شرائط ہماری طرف سے ایجاد کردہ نہیں بلکہ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی کتاب سے ہم چند اقتباسات پیش کر دیتے ہیں، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

حضرات احناف کثر اللہ جماعتہم کا محقق قول اس میں باحوالہ درج ہے کہ جہاں شرعاً بلند آواز سے ذکر ثابت نہیں، وہاں ذکر بالجہر مکروہ اور بدعت ہے۔ خصوصاً جبکہ نمازیوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور

سونے والوں اور اسی طرح کے دیگر مشاغل میں مصروف حضرات کے امن وسکون میں خلل واقع ہوتا ہو۔ اور اس سے ان کے ذہن پریشان ہوتے ہوں ایسے حالات میں سب کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔
[حکم الذکر بالجہر: ۱۲]

حضرات صوفیاء کرامؒ کے بعض سلاسل (مثلاً قادریہ اویسیہ وغیرہ) میں مبتدی کے لیے ذکر بالجہر کا طریقہ رائج ہے۔ اپنی شرائط کے ساتھ وہ بھی صحیح ہے۔ بنیادی شرائط یہ ہیں کہ جہر مفرط نہ ہو، صرف تعلیم کی حد تک ہو۔ کسی نمازی، تلاوت کرنے والے وغیرہ کو اس سے اذیت اور تشویش نہ ہو۔ اگر یہ شرطیں کُلاًّ یا بعضاً مفقود ہوں تو پھر اس کی اجازت نہیں۔ [حکم الذکر بالجہر: ۱۴]

البتہ اگر عارضہ کی وجہ سے مثل دفع خطرات یا دفع فسادات وتحصیل رقت وغیرہ، ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا ہو کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو۔ ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے۔ [حکم الذکر بالجہر: ۱۶۱]

اب آیئے بات صاف ہوگئی کہ ذکر جہری یا تو مریدین کو تعلیم دینے کے لیے پیر طریقت زور سے کر کے دکھا سکتا ہے۔ یا مریدین علاج کی نیت سے نہ کہ ثواب کے لیے زور سے کر سکتے ہیں۔ اور اس میں بھی کسی کو تکلیف نہ ہو اور آواز زیادہ بلند و بالا بھی نہ ہو۔ اس پر حوالہ جات حضرت امام اہل سنتؒ کی کتب میں موجود ہیں وہیں ملاحظہ فرمالیں۔ میں اشارۃً چند ایک ذکر کر دیتا ہوں۔

مگر ایک اشکال کا حل ضروری سمجھتا ہوں کہ اکابر کی کتب میں ان کے ذکر کے طریقے میں بات آگے بھی آرہی ہے کہ وہ جہری تھے تو وہ علاج کے طور پر نہ ہوگا۔ کیوں کہ علاج مبتدی کے لیے ہوتا ہے؟ تو جواباً گذارش ہے کہ پیرومرشد فخر السادات حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

ذکر بالجہر مقصود نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہے، اس کو آپ یوں سمجھیں جیسے لوگ خطاطی سیکھنے آتے ہیں۔ ان کو سب سے پہلے مشق کے لیے الف باء کی تختی سکھائی جاتی ہے جو مرضی آئے اس کو پہلے الف باء سکھائی جائے گی۔ جب الف باء سیکھ لیں گے پھر مرکبات سکھائے جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد مقطعات لکھنے آجائیں، جب مقطعات لکھنے آگئے پھر الف باء لکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہاں اپنی مشق کے لیے کبھی کبھی لکھ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ذکر بھی مشق کے لیے کروایا جاتا ہے۔ جب آثار ذکر پیدا ہو جاتے ہیں اور دل میں اللہ کی یادداشت اور نسبت پیدا ہو جاتی ہے پھر ذکر بالجہر چھڑوا دیا جاتا ہے۔ بعد میں مشق کے لیے تھوڑا بہت کرنے میں حرج نہیں۔ [مجالس نفیس: ۱۷۸]

تو معلوم ہوا کہ اکابر مشق کے لیے اور علاج سمجھ کر کر لیتے تھے ورنہ اسے مقصود نہ سمجھتے تھے اور نہ ہی ذکر جہری کو قربت اور ثواب۔

اب دلائل کی طرف آئیں۔

۱)۔ بخاری شریف کے حاشیہ میں مولنا احمد علی سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:

ابن بطال فرماتے ہیں: مذاہب اربعہ یعنی جن کی پیروی کی جاتی ہے، ان کے ائمہ متبوعین اوران کے علاوہ دیگر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ذکر جہری غیر مستحب ہے۔[ملخصاً حاشیہ بخاری:۱/۱۱۶]

دوسری جگہ لکھتے ہیں امام طبری نے کہا اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ زور سے ذکر کرنا اور دعا مانگنا مکروہ ہے۔ اور یہی بات صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؒ میں عامۃ السلف کا نظریہ ہے۔[حاشیہ بخاری:۱/۴۲۰]

۲)۔ حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

ابن بطال نے کہا کہ مذاہب متبوعہ کے ائمہ (اربعہ) اور دیگر ائمہ ذکر بالجہر کے عدم استحباب پر متفق ہیں۔[حاشیہ ابوداؤد:۱۵۱، مکتبہ حقانیہ ملتان]

۳)۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حوالہ سے حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

و قیل کان ذلک .الخ

یعنی یہ ابن عباسؓ کا ارشاد کہ مجھے نماز ختم ہونے کا پتہ لوگوں کے اللہ اکبر کہنے سے چلتا تھا کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایام تشریق میں منٰی کے موقع کی بات ہے۔ (کیوں کہ وہاں حج پر لوگوں کا مجمع اور پھر ایام تشریق میں تکبیرات تشریق کو زور سے پڑھنا تو آواز بلند ہو جاتی تھی) اور یہ بات حنفی مذہب کے زیادہ لائق ہے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک زور سے ذکر کرنا مکروہ ہے، ہاں جہاں شریعت نے خود جہر کا حکم دیا۔ اس لیے حنفیہ واجب نہیں کرتے کہ تکبیرات عید اور تشریق کی قضاء کی جائے۔ آگے لکھا ہے:

ذکرہ الدھلوی فی اللمعات.[حاشیہ مشکوٰۃ شریف:۸۹۔ مکتبہ رحمانیہ]

۴)۔ اور اتنی بات مولنا عبدالحئی صاحب لکھنویؒ کو بھی تسلیم ہے کہ:

اکثر حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ ذکر جہری بدعت ہے۔ اصل ذکر خفی ہے۔ الخ

[مجموعۃ الفتاوی:۳/۲۰۷]

اسی طرح ذکر جہری کو ہمارے دور کے محقق پیر جی مشتاق علی شاہ صاحب نے میزان الحق میں بھی ذکر بالجہر کا رد کیا ہے اور اسے بدعت و حرام قرار دیا ہے۔

۵)۔ امام المومنین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی [واں بھچراں] لکھتے ہیں:

یعنی علی الدوام ہمیشہ ذکر خفی میں مشغول رہو۔ اس بات کو جان لو کہ کسی آیت میں اور حدیث میں اور کسی صحیح طریقہ پر ذکر بالجہر کا حکم نہیں آیا بلکہ خفیہ پوشیدہ طور پر ذکر کا حکم آیا ہے۔[تحفہ ابراہیمیہ :۱۰۸]

(جاری ہے۔)

مولانا عبدالجبار سلفی، لاہور

مجلّہ ''صفدر'' کے ''فتنہ غامدی نمبر'' پر ماہنامہ ''حق چاریار'' کا تبصرہ

برصغیر کی اسلامی صفوں میں دراڑیں ڈالنے کا منصوبہ تو اس وقت بن چکا تھا جب علماء دیوبند نے ہندوستان سے انگریز کے خلاف علمی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ۱۸۵۷ء کی انقلابی کوشش کی ناکامی کے بعد جب انگریز نے ۱۸۶۶ء میں ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے ادارہ بنتے دیکھا تو وہ بھانپ گیا تھا کہ یہ صرف تعلیمی یا مذہبی ادارہ نہیں، ہندوستان میں سامراجی و برطانوی نظام کے خلاف ایک فوجی چھاؤنی ہے۔ اس کا یہ خدشہ اس وقت یقین میں پوری طرح بدل گیا جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے انتہائی حساس اور پُروقار طریقہ سے ''تحریک ریشمی رومال'' شروع کی، جسے برطانوی جاسوسوں نے ''سلک لیٹر سازش'' کا نام دیا تھا۔ اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ مذکورہ تحریک کس مدوجزر سے گذرنے کے بعد کہاں جا کر مختتم ہوئی؟ مگر اتنا کہے بغیر قلم بھی آگے نہیں چلتا کہ فکرِ شیخ الہند کو آج ہندو پاکستان ہی نہیں، عرب و یورپ کا ہر وہ شخص قبول کر چکا ہے جو تاریخ کے دریچوں میں ذرا سا بھی جھانکنے کی ہمت رکھتا ہے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب یہاں علماء حق کے مقابل بھانت بھانت کی بولیوں والے اپنے اپنے نظریاتی مُردے بے غسل و کفن کاندھوں پر اٹھائے استعمار کی نوکری کر رہے تھے، مگر علماء اہل سنت دیوبند کی پُرخلوص کاوشوں کے ایک ایک لمحہ پر قربان جائیے کہ ان بوریہ نشینوں نے استعماری آقاؤں کو ان کے چاپلوس غلاموں سمیت اپنے جوتوں سے روند کر اعلاء کلمۃ اللہ کا پرچم اتنا بلند کر دیا کہ پورا عالم اَش اَش کر اُٹھا۔ جن مختلف الخیال شخصیات کو مسلمانوں کے مابین انتشار پھیلانے کے لیے میدان میں اتارا گیا، ضروری نہیں کہ پہلے ان کو یکجا کر کے ایک پروگرام ان کے سپرد کیا گیا ہو، بلکہ بڑی طاقتیں ماحول اور فضا ایسی بنا دیتی ہیں کہ کج بحث اور کج فکر لوگ خود بخود حنظل کے پھل کی طرح ٹوٹ کر ان کی گود میں آگرتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی، سرسید احمد خان، غلام نبی المعروف عبداللہ چکڑالوی، مولوی حشمت خان، احمد دین امرتسری، مولوی محمد رمضان، عنایت اللہ خان المشرقی، غلام احمد پرویز، پسران مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، ڈاکٹر فضل الرحمٰن (پسر مولانا شہاب الدین رحمہ اللہ) وغیرہم قدرے فرق کے ساتھ اسی قبیل کے افراد تھے۔ ان میں بعض کی نیت ابتداء میں بُری نہیں تھی، مگر ضد اور ''انا ولا غیری'' کے فلسفے نے ان کی نیتوں میں بہرحال فتور پیدا کر دیئے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو تو فی الوقت رکھیے ایک طرف! سرسید احمد خان صاحب نے جو دو مخالف سمت جاتی کشتیوں میں پاؤں رکھے تھے وہ ان کی

ذات سے نکل کر ایک بہت بڑے طبقہ کے لیے انتہائی مُضر ثابت ہوئے۔ فتنہ انکار حدیث کی پہلی اینٹ خطہ برصغیر میں سرسید صاحب نے رکھی تھی، پھر اس کے بعد عبد اللہ چکڑالوی نے انتہائی بے باکی کے ساتھ علم و انصاف کا خون کیا، ان کی پوری کہانی جو عبرتوں کا مرقع ہے۔ ہم نے اپنے مطبوعہ مقالہ ''عبداللہ چکڑالوی اور فتنہ انکار حدیث'' میں درج کر دی ہے۔ چکڑالوی صاحب ۱۹۱۲ء میں فوت ہوئے اور وصیت کے مطابق بغیر غسل و کفن اور نماز جنازہ' میانوالی کے محلّہ یارو خیل میں اینٹوں کے بھٹوں کے درمیان گڑھے میں ڈال دیئے گئے تھے، درمیان میں ان کے بعض شاگردوں نے فکرِ سرسید اور فکر چکڑالوی کا آمیختہ تیار کر کے نسل نو کو دام تزویر میں پھنسانا چاہا، مگر پوری طرح کامیاب نہ ہوئے۔ عبد اللہ چکڑالوی اور سرسید احمد خان کے نظریات کا نیا ٹھیکہ ۱۹۳۸ء میں غلام احمد پرویز نے دہلی میں لیا تھا، انہوں نے خود کو اسلم جیراجپوری کا شاگرد متعارف کروایا، مگر پاکستان میں اولاً کراچی اور بعد ازاں لاہور شفٹ ہونے کے بعد پرویز نے علامہ اقبال کے نام کی آڑ لے کر اور ان کی شاعری کا خود ساختہ شارح بن کر انکار حدیث، انکارِ معجزات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا انکار، انکار معراج جسمانی وغیرہ وغیرہ دلائل بلکہ افسانے تراشے۔ غلام احمد پرویز نے تقاضائے وقت کو بھانپتے ہوئے اردو ادب کا سہارا لیا اور ایک محدود حلقے کو اپنے سحر میں کر لیا۔ اسی دوران علامہ عنایت اللہ خان المشرقی بھی بذریعہ ''بیلچہ'' دینِ اسلام کی بنیادیں کمزور کرنے میں پوری مستعد ہوئے، عسکری پریڈ سے نوجوانوں کو متاثر کر کے قریب کیا اور پورے خطہ میں اپنا اچھا خاصا ''کھوکھا'' قائم کرنے میں کامیاب رہے۔ وہ تو بھلا ہو ان کی بدمزاجی اور طبیعت کی تیزی کا، کہ اپنے ہاتھوں سب کچھ تلپٹ کر کے دنیا سے کوچ فرما گئے۔ راقم نے اپنے مطبوعہ کتابچہ ''عنایت اللہ خان المشرقی: احوال و آثار'' میں اس پر کچھ تاریخی حقائق قلمبند کر دیئے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے مشرقی صاحب کی کتاب ''تذکرہ'' کے متعلق ماسٹر محمد حسین کو ۱۰/اکتوبر ۱۹۲۴ء خط لکھا تھا کہ علامہ مشرقی نے اچھی اچھی باتیں میری شاعری کے مجموعہ ''اسرار و رموز'' سے نقل کر کے نثر میں لکھ دی ہیں اور بری باتیں اپنی طرف سے شامل کر دیں ہیں۔'' نیز علامہ اقبال نے اپنے ایک چاہنے والے کو ۱۹۲۴ء میں لکھا تھا کہ علامہ مشرقی کی کتاب ''تذکرہ'' انگریز کے پیسے سے شائع ہو رہی ہے، کیونکہ اس میں بہترین مسلمان اہل یورپ کو ثابت کیا گیا ہے۔ غلام قادر خواجہ ایڈووکیٹ نے یہ خطوط جمع کر کے ان پر تبصرہ قلمبند کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو کتاب ''اقبال اور مشرقی، تبصرہ بر تذکرہ و مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب۔ لاہور'')

پرویز کی فکر (جو دراصل چکڑالوی چربہ تھا) کو اہل حق نے نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ جڑ سے اُکھاڑا، کتابیں اور مقالا جات سپرد قلم کیے اور بلا مبالغہ درجنوں کتب مختلف مکاتب فکر کے اہل علم نے

حجیت حدیث پر لکھ کر امت مسلمہ کو ایک نئی ایمانی لذت بخش دی۔ غلام احمد پرویز کے بعد اس سوا سو سالہ فتنے کو ازسرنو تازہ کرنے کا ٹھیکہ اَب کے جاوید احمد غامدی کے حصے میں آیا ہے، مگر اپنے ناقص مطالعہ و جستجو کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فکری پژمردگی، روکھے نظریات اور بے سروپا باتیں کرنے میں جناب غامدی صاحب اپنے پیش روؤں میں سب سے زیادہ کم فہم ثابت ہوئے۔ حالانکہ دورِ حاضر کی پیداوار ہونے کی بناء پر اور علم و شعور کے تازہ و جدید آلات کی موجودگی نیز تیز و طرار نسل کے درمیان انہیں عقل مند ہونا چاہیے تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ پرویز، اسلم جیراجپوری، احمد دین امرتسری، چکڑالوی اور سرسید احمد خان' غامدی صاحب سے کئی گنا زیادہ تیز فہم، زود مطالعہ اور استنباط و استدلال کے دریا میں الٹے تیرنے کے ماہر تھے۔ مجھے ان پڑھے لکھے دوستوں پر تعجب ہوتا ہے جو غامدی صاحب سے متاثر ہو جاتے ہیں اور مجلّہ ''صفدر'' کے ایک مقالہ نگار کی دیگر باتوں سے استفادہ کرنے کے باوجود اس بات سے اتفاق نہ کر سکا کہ:

''غامدی صاحب کے الفاظ کا جوڑ توڑ اور تحقیق کی گہرائی اپنی نظیر آپ ہے، لیکن کاش اس کے قلم کا رُخ باطل کی طرف ہوتا، کیا یہ اس کی بدبختی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قوت گویائی عطا فرمائی اس کو صاحب قلم و دانشور بنایا، جب یہ لکھنے بولنے کے قابل ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے خلاف لکھنا شروع کیا۔'' (ص: ۷۷)

حقیقت الامر یہ ہے کہ جس آدمی کو تھوڑی بہت کتابوں سے مناسبت ہے اور وہ متقدمین و متاخرین کے اسلوب، علمی گہرائی اور عبقریت سے واقف ہو وہ غامدی صاحب کے لب کھلتے ہی پہچان لیتا ہے کہ یہ سب کچھ مادیت کی شرر باریوں کے سوا کچھ نہیں۔ چند دن قبل غامدی صاحب کا ایک ویڈیو کلپ دیکھنے کا اتفاق ہوا جو مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کی بحث اور سوال و جواب پہ مبنی تھا اور اس میں وہ کہتے ہیں کہ جس طرح بعض صوفیاء کی شخصیات کتابوں میں موجود ہیں، مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت بھی انہی شطحیات کی مثال ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر کسی فقہی مسئلہ میں اہل تشیع کو فقہ جعفری کے تحت سند جواز مہیا کی جا رہی تھی۔ جو شخص اسلام کے لنگوٹی فرقوں (خوارج و روافض) کے عقائد، نظریات اور افکار سے نابلد ہے اور صوفیاء میں رائج اصطلاحات کو سمجھنے سے عاری ہے نیز مرزا قادیانی اور قادیانی فرقہ جس کی عمر ابھی ایک سو سال سے زیادہ نہیں ہے، کی بھی پوری معلومات نہیں رکھتا اور عربی و فارسی کی عبارات پڑھنے میں مبتدی طلبہ کی سی استعداد بھی نہ رکھتا ہو وہ کیسا مذہبی دانشور اور کیسا محقق؟ ان کی علمی تنگ دستی اور دانش کی خستہ حالی تو اب عیاں ہو چکی ہے۔

بہرکیف حال ہی میں مجلّہ ''صفدر'' نے ۶۰۰ رصفحات پر مشتمل ایک ضخیم ''فتنہ غامدی نمبر'' شائع کر کے ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ یہ خصوصی نمبر ۷ رابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب

میں ابتدائی سرگزشت، اداریہ اور چند دیگر باتیں درج کرنے کے بعد دوسرے باب میں تقریباً انیس معاصر بزرگوں کی تحریریں شامل ہیں۔ تیسرے باب میں ''علمی و قلمی فتنے'' کے زیر عنوان چار مقالہ نگاروں کی نگارشات شامل ہیں۔ اس باب میں ڈاکٹر خالد جامعی کا مضمون گویا پھولوں کی کیاری ہے اور مولانا نور محمد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفردات کے حوالہ سے بہت کارآمد مضمون لکھا ہے۔ مولانا فضل محمد کا مضمون بھی ان کی شاندار محنت اور عالمانہ اسلوب کا پتہ دے رہا ہے۔ چوتھے باب میں ''جاوید احمد غامدی کے تعارف اور پس منظر'' پر مقالات شامل ہیں، ان میں مولانا ابولبابہ شاہ منصور اور ڈاکٹر جامعی کے مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ ماضی کے بعض بے رہرو شخصیات کی فکری کجیوں سے مولانا ابولبابہ صاحب نے خوب پردہ اُٹھایا۔ پانچویں باب میں تقریباً ۲۵/مضامین شامل اشاعت ہیں، جن کے عناوین نہایت علمی اور خوبصورت ہیں، مگر زیر عناوین مندرجات اور نگارشات میں تحقیقی مواد کم ہے۔ [1]

البتہ مولانا عبدالقدوس خان قارن، مولانا عبدالحمید تونسوی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی عبدالواحد اور مولانا محبوب احمد کے مضامین اپنے دامن میں خاطر خواہ معلومات رکھتے ہیں، چھٹے باب کے تینوں مقالات قابل استفادہ ہیں، جن میں فکرِ غامدی کا ایک عمومی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح ساتویں باب میں چند مدارس کے فتاویٰ اور چند ارباب علم وقلم کی آراء پیش کی گئی ہیں جن سے اس مٹھی بھر طبقہ کی نشاندہی کی گئی ہے جو محض اپنی دماغی جگالی میں مخمور ہو کر کتاب وسنت اور اجماع امت کے تمام تر آفاقی وفطری اصولوں کو فراموش کر چکا ہے۔

ان سات ابواب میں مضمون نگاروں نے اپنی اپنی معلومات، علم اور فہم کے مطابق مافی الضمیر پیش کیا، جس سے جناب جاوید احمد غامدی اور ان کے گھونسلے کی ساخت وپرداخت کا جائزہ لینے میں بڑی حد تک مدد مل سکتی ہے۔ اہل علم مراجعت فرمائیں اور مذکورہ کتاب اپنی لائبریوں کی زینت بنائیں، اچھا کاغذ لگایا گیا ہے۔ ٹائٹل خوبصورت اور جلد بندی معیاری ہے۔ [ماہنامہ حق چاریار، اگست ۲۰۱۵ء]

---

[1] کسی فتنہ اور فتنہ پرداز سے متعلق لکھے گئے مضامین مختلف اقسام کے ہوتے ہیں: بعض وہ جو اُس فتنے کے اختیار کردہ نظریات کے مقابل قرآن وسنت اور چودہ سو سالہ امت کے دلائل اور معلومات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض مضامین ایسے بھی ہوتے ہیں جو اُس فتنہ کی اُلجھی ہوئی اور تہہ در تہہ عبارات کا تجزیہ وتحلیل کر کے گویا ایک لیبارٹری کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے اُس فتنہ کے اصلی چہرے سے پردہ اُٹھانے پر اکتفا کرتے ہیں، ظاہر بات ہے کسی پیچ در پیچ فتنہ کا تجزیہ وتحلیل بھی گہری علمیت اور تحقیق وتفتیش کی بنیاد پر ہی ممکن ہوتا ہے۔ ایسے قیمتی مضامین میں بھی ''تحقیقی مواد'' اور ''معلومات'' تلاش کرنا لیبارٹری کو میڈیکل سٹور سمجھ کر اُس سے دوائیں تلاش کرنے کے مترادف ہے، علم ودانش کے میدان میں ایسی کوشش کو قدر اور تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ [ادارہ]

مجلّہ صفدر جلد نمبر ۱۰/ جنوری تا دسمبر ۲۰۲۰ء کی فہرست

شمارہ ۱۰۷، ۱۰۸...... جنوری، فروری ۲۰۲۰ء/ جمادی الاولیٰ والثانیہ ۱۴۴۱ھ

۱	مرکزِ اہل تشیع میں مولانا زاہد الراشدی کی امامت...	مدیر کے قلم سے............	3
۲	علامہ راشدی کی، شیعہ مرکز کے اندر امامتِ نماز......	مولانا عبدالحق خان بشیر.....	20
۳	مولانا زاہد الراشدی سے ایک مؤدبانہ احتجاج......	مولانا عبدالجبار سلفی.........	25
۴	اِرتداد وزَندقہ کی حقیقت اور متعلقہ احکام.........	مولانا مفتی عبیدالرحمٰن.......	55
۵	زندیق کی تعریف اور شرعی حکم...........	مولانا مفتی عبدالصمد ساجد...	69
۶	مفتی محمد زاہد فیصل آبادی... اَفکار ونظریات.........	ابن احمد...................	77
۷	علی زئی جواب پر ایک نظر!...............	مولانا مفتی رب نواز.........	86
۸	''کرنیں ایک ہی مشعل کی'' تعارف وتبصرہ.........	مولانا عبدالجبار سلفی.........	94

شمارہ ۱۰۹، ۱۱۰...... مارچ، اپریل ۲۰۲۰ء/ رجب، شعبان ۱۴۴۱ھ

۱	چند انتہائی قابل توجہ مسائل اور سدباب کی ضرورت.	مدیر کے قلم سے............	3
۲	عقائد کے باب میں خبر واحد کی حجیت کا بیان.......	مولانا مفتی عبیدالرحمٰن.......	23
۳	اللہ کے گھر کی طرف (سفر نامہ عمرہ)............	مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی..	35
۴	کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ........	مولانا ابوایوب قادری........	39
۵	قاسم سلیمانی کا قتل: حقائق کیا ہیں؟............	سعدی کے قلم سے...........	46
۶	علی زئی جواب پر ایک نظر!...............	مولانا مفتی رب نواز.........	48
۷	ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف کی تحقیقات پر ایک نظر!..	مولانا مجیب الرحمٰن..........	57
۸	قارئین کی ڈاک..........................	قاری محمد الیاس جھنگوی.......	90
۹	علمائے بنوری ٹاؤن کی تالیفی وتصنیفی خدمات........	(تبصرہ) مولانا عبدالجبار سلفی	92
۱۰	نذرِ حقیر بخدمت مولانا قاری عبدالجلیل مرحوم......	مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی	96

شمارہ ۱۱۱، ۱۱۲...... مئی، جون ۲۰۲۰ء/ رمضان المبارک، شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ

۱	نجات کیلئے مساجد کو آباد اور فتنۂ تصویر ختم کیا جائے..	مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ........	ٹائٹل ۲
۲	اقلیتی کمیشن/ کورونا/ مولانا طارق جمیل کی معافی.....	مدیر کے قلم سے............	3

۳	کروناوائرس وبا، اسباب، سدباب، طریق علاج..	مولانا زبیر احمد صدیقی........	9
۴	دانش وری کا عذاب	سعود عثمانی.............	16
۵	مولانا مکی حجازی صاحب کا تساہل..........	ابوسفیر خیرالامین قاسمی	19
۶	جمہوریت اور اسلام: ایک مطالعہ..........	مولانا مفتی عبیدالرحمٰن.......	24
۷	بیعت کا مقصد اصلاح نفس یا حصول خلافت؟......	فضیل احمد ناصری...........	42
۸	مکتوب بنام مولانا حفیظ اللہ صاحب..........	مولانا نور محمد آصف	44
۹	اللہ کے گھر کی طرف (سفرنامہ عمرہ)..........	مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی..	52
۱۰	محدثین وفقہاء کے اصول حدیث، ایک تقابلی جائزہ	مولانا مفتی محمد طارق.........	61
۱۱	غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر...	مولانا مجیب الرحمٰن...........	77
۱۲	علی زئی جواب پر ایک نظر!..........	مولانا مفتی رب نواز.........	83

شمارہ ۱۱۳، ۱۱۴...... جولائی، اگست ۲۰۲۰ء / ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ

۱	وفیات..........................	ادارہ..........................	ٹائٹل ۲
۲	سندھ اسمبلی: دو متضاد قراردادوں کی منظوری........	اداریہ..........................	3
۳	پنجاب اسمبلی گستاخانہ کتب پر پابندی اور ترمیمی بل	اداریہ..........................	5
۴	پنجاب: یونیورسٹیوں میں تعلیم قرآن لازمی قرار.....	اداریہ..........................	7
۵	نادرا فارم: خانۂ مذہب کے خاتمے کا امریکی مطالبہ	اداریہ..........................	7
۶	نظام ونصاب مدارس: اے ایف ٹی ایف کا دباؤ!...	اداریہ..........................	8
۷	بجٹ: مدارس اصلاحات کے لیے پانچ ارب......	اداریہ..........................	8
۸	قادیانی: اقلیتی کمیشن کا رُکن بنانے کی پٹیشن مسترد	اداریہ..........................	9
۹	حکومتی پابندی خاطر میں لانے کی ضرورت نہیں!...	اداریہ..........................	11
۱۰	کرونا: قربانی پر پابندی قبول نہیں..................	اداریہ..........................	12
۱۱	فن مناظرہ اور مولانا طارق جمیل..................	اداریہ..........................	12
۱۲	مجلّہ ''صفدر'' کی اشاعت خاص..................	اداریہ..........................	13
۱۳	علماء ومشائخ کی رحلت: خاندان شیخین کو صدمہ.....	حمزہ احسانی....................	15
۱۴	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ....	حمزہ احسانی....................	16
۱۵	مولانا مفتی محمد نعیمؒ، حافظ صغیر احمدؒ و مولانا ہزارویؒ....	حمزہ احسانی....................	17

۱۶	خواتین سے متعلق عیداور قربانی کے احکام..........	مولانا مفتی راشد ڈسکوی.....	21
۱۷	مناظرہ! خدمتِ دین کا اہم شعبہ..............	مولانا اسماعیل ریحان.......	28
۱۸	مقام صفدر (مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ).........	اکابر علمائے اہل سنت دیوبند	41
۱۹	مولانا طارق جمیل! کس راستے پر چل پڑے!؟.....	مولانا خیر الامین............	45
۲۰	اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق چند ضروری توضیحات..	مولانا مفتی عبید الرحمٰن.......	51
۲۱	غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر...	مولانا مجیب الرحمٰن........	60
۲۲	کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ.........	مولانا خادم حسین بدر........	72
۲۳	علی زئی جواب پر ایک نظر!..............	مولانا مفتی رب نواز.........	77
۲۴	مولانا نیاز اوکاڑوی کی چند مفید کتب کا تعارف.....!	ابو عبد اللہ...................	92

شمارہ ۱۱۵، ۱۱۶...... ستمبر، اکتوبر ۲۰۲۰ء/محرم، صفر ۱۴۴۲ھ

۱	تحفظ بنیاد اسلام بل: اعتراضات کا جائزہ..........	مولانا عبد الحق خان بشیر.....	3
۲	کیا قانون ہاتھ میں لینا جائز ہے؟..............	مولانا مفتی محمد طیب..........	11
۳	معیتِ حبیبِ مظہر، درِ محبوبِ خدا (سفرنامہ عمرہ)...	جناب ملک نثار معاویہ.......	15
۴	مولانا ہزارویؒ: قائد اہل سنت کا بصیرت افروز تبصرہ	حمزہ احسانی.................	24
۵	یوٹیلٹی بلز میں تاخیر پر جرمانہ کی شرعی حیثیت.......	مولانا مفتی عبید الرحمٰن.......	29
۶	مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی رحمہ اللہ.............	حافظ عبد الوحید الحنفی.....	35
۷	غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر...	مولانا مجیب الرحمٰن........	51
۸	کتاب ''ذکر اللہ کے حلقے'' کا تحقیقی جائزہ.........	مولانا خادم حسین بدر.........	61
۹	علی زئی جواب پر ایک نظر!..............	مولانا مفتی رب نواز.........	69
۱۰	غامدیت کے فکری شعلوں کو سرد کرتی کتاب.......	(تبصرہ) مولانا عبد الجبار سلفی	86



مجلہ صفدر کے دستیاب خاص نمبرات اور اہم مضامین

حقیقت میلاد نمبر...... میلاد کے بارے میں اکابر اہل سنت کی تحریرات کا مفید مجموعہ...... ش:۸۲...... قیمت: 50

گوشۂ خاص...... بیاد: شیر اسلام حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ...... ش:۱۲/۱۳...... قیمت: 30

گوشہ خاص...... مشاجرات صحابہ اور اہل سنت کا مسلک اعتدال...... مولانا مجیب الرحمٰن...... شمارہ:۸۶، قیمت: 25

گوشہ خاص...... ''صفاتِ متشابہات اور سلفی عقائد'' چند اعتراضات کا جائزہ...... مولانا مفتی عبد الواحد...... ش:۹۰

مولانا زاہد الراشدی اور عمار خان ناصر کے نام مولانا مفتی محمد تقی عثانی مدظلہم کا مکتوب گرامی...... ش:۴۴...... 35

مولانا راشدی کی الشریعہ اور عمار خان سے براءت: حقیقت کیا ہے؟...... ش:۶۰/۶۱/۶۲...... قیمت: 75

غامدی کا جوابی بیانیہ، از: شکیل عثمانی...... ش:۶۴...... قیمت: 25

آئین محمدی اور قانون غامدی...... مولانا عبد الحق خان بشیر...... شمارہ:۸۵...... قیمت: 25

اہل یورپ کی قیامت تک دنیا پر حکومت، خدائی فیصلہ یا غامدی خواہش؟...... مولانا احسن خدامی...... شمارہ:۹۲

حدیث کلابِ حوأب اور قاضی طاہر ہاشمی کی تحقیق پر نظر، از: مولانا مجیب الرحمٰن...... ش:۶۵ تا ۷۵...... قیمت: 150

اَفکارِ علوی مالکی: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی رائے اور مولانا نثار حسینی کی ناانصافی...... ش:۳۷

عریضہ بخدمت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، بابت عقیدہ امامت اور مولانا عبد المجید لدھیانویؒ...... ش:۸۳...... قیمت: ۲۵

عقیدہ امامت اکابر اہل سنت کی نظر میں (پچیس سے زائد اکابر اہل سنت کے حوالہ جات)...... ش:۸۳

مسئلہ ختم نبوت اور شیعہ، ادارہ لولاک کی خدمت میں...... حافظ محمد عدیل عمران...... شمارہ:۹۳......

مودودی جماعت کی پانچ بنیادی گمراہیاں...... مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری...... شمارہ:۸۸......

ہم اپنے ہاتھوں سے مدارس کو اُجاڑ رہے ہیں...... شیخ الحدیث مولانا عبد المجید لدھیانویؒ...... شمارہ:۹۵

اہل تشیع کے مرکز میں مولانا زاہد الراشدی کی امامت، مولانا عبد الحق، مولانا عبد الجبار سلفی، حمزہ احسانی، شمارہ:۱۰۷

حقیقتِ فدک (مسئلہ فدک پر عام فہم اور جامع تحریر) حمزہ احسانی...... شمارہ:۱۰۹

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف کی تحقیقات پر ایک نظر! مولانا مجیب الرحمٰن...... شمارہ:۱۰۹

منکرین حیات انبیاء کے حوالے سے مولانا مکی حجازی صاحب کا تساہل، مولانا خیر الامین...... شمارہ:۱۱۱

مولانا طارق جمیل کی میڈیا سے معافی، مقام عبرت، حمزہ احسانی...... شمارہ:۱۱۱

فن مناظرہ اور مولانا طارق جمیل، مولانا طارق جمیل کس راستے پر چل پڑے، مولانا خیر الامین...... شمارہ:۱۱۳

اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق چند ضروری توضیحات، مولانا مفتی عبید الرحمٰن...... شمارہ:۱۱۳

تحفظ بنیاد اسلام بل: اعتراضات کا جائزہ، مولانا عبد الحق خان بشیر...... شمارہ:۱۱۵

مولانا عزیز الرحمٰن ہزارویؒ، حضرت قائد اہل سنتؒ کا بصیرت افروز تبصرہ، حمزہ احسانی، حافظ عبد الوحید...... شمارہ:۱۱۵

رابطہ: 0312-4612774

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم جناب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ پاک آپ کو سلامت باکرامت رکھیں۔

ایک عرصہ سے مجلّہ ''صفدر'' آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ اِس کے متعلق آپ کی رائے معلوم کرنے کے لیے ایک سوال نامہ آنجناب کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ امید ہے آپ اس کا جواب جلد مرحمت فرمائیں گے۔

سوال نامہ

۱۔ کیا آپ کو مجلّہ پابندی سے اور بروقت مل رہا ہے؟

۲۔ کیا آپ مجلّہ کے تمام مضامین پڑھتے ہیں؟

۳۔ مجلّہ کے مضامین اور قلم کاروں میں آپ کے پسندیدہ مضامین اور قلم کارکون سے ہیں؟

۴۔ جن اَغراض ومقاصد کے تحت مجلّہ کا اِجرا ہوا تھا، اُن سے مجلّہ منحرف تو نہیں ہوا؟

۵۔ کیا مجلّہ اکابر اہل سنت دیوبند کے مسلک ومشرب کا بلاتاویل ترجمان ہے؟ اِس میں شائع ہونے والی کوئی بات اکابر کے مسلک کے خلاف تو نہیں؟

۶۔ مجلّہ کے دائرہ کار کے لحاظ سے آپ کو مجلّہ میں کس چیز کی کمی محسوس ہوئی؟

۷۔ مجلّہ میں محض بھرتی کی تحریرات تو نہیں ہوتیں؟

۸۔ مجلّہ کے مشمولات، ترتیب، پالیسی یا کسی بھی حوالے سے کوئی تجویز ومشورہ جو آپ دینا چاہیں؟

۹۔ مجلّہ سے متعلق کوئی سوال جو آپ کے ذہن میں ہو؟

۱۰۔ مجلّہ کے متعلق مجموعی حیثیت سے آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

مجلّہ کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے آپ کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟ اور ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اِس سلسلے میں بھی آپ کی تجاویز اور مشورے ہماری راہ نمائی کا باعث ہوں گے۔

آپ کے علم میں ایسے صاحبِ مطالعہ لوگ ہوں جن کے لیے مجلّہ ''صفدر'' دلچسپی کا باعث ہوسکتا ہے تو اُن کا نام، پتہ رابطہ نمبر عنایت فرمائیں، انھیں ان شاء اللہ نمونہ کا شمارہ ارسال کیا جائے گا۔

مجلّہ، اس کے منتظمین، معاونین اور جملہ متعلقین کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

شمار______ نام______ مکمل پتہ______

رابطہ نمبر______ دستخط______